چندہ سالانہ
پانچ روپے

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات
لکھنؤ

۱۸ جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء

ایڈیٹر — سید محمد الحسنی
معاون — سعید الاعظمی ندوی

فی کاپی
(۲۵)
نئے پیسے

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال
از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

[illegible]

القراءۃ الراشدۃ
از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

[illegible]

مختارات
از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

[illegible]

منثورات
از: مولانا محمد رابع ندوی

[illegible]

مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا ابو العرفان ندوی، قائم مقام مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء

فی کاپی ۲۵ نئے پیسے

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ

منیجر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

"تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے
تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پر زور گزارش ہے کہ حوصلہ مندی سے
عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی
اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے	200 - 00
معاونین سے	100 - 00 / 50 - 00
اعزازی خریداران سے	25 - 00

پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
مولانا حکیم نصیر الدین صاحب
نظامی ندوی فرنیر روڈ کراچی
(مغربی پاکستان)

تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ سوم)

از — مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

- سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
- حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری
- سوانح حیات — صفات و کمالات — تجدیدی و اصلاحی کارنامے
- تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف،
ابتداء میں ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ!

قیمت: مجلد مع گرد پوش چھ روپے
غیر مجلد پانچ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

از: سید محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

پیش نظر کتاب میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کی سیرت اور ان کی شخصیت کے تمام اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ندوۃ العلماء جیسی حیات آفریں تحریک کا قیام، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شاندار دور نظامت، سلوک و تربیت اور عمومی بیعت و اصلاح کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ رد عیسائیت، جہاد اور فتنۂ قادیانیت کے استیصال پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی سیرت کے ساتھ ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ بھی نظروں کے سامنے آجائے، کتاب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے مقدمہ سے مزین ہے!

جلد ۱۴ — نمبر ۲۴	پندرہ روزہ **تعمیر حیات** لکھنؤ	سالانہ ۵/ روپے — فی پرچہ ۲۵ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ / اکتوبر ۱۹۶۴ء مطابق ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ندوۃ العلماء

ایک نصب العین — ایک تحریک

محمد الحسنی

ندوۃ العلماء کے متعلق مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ کا خیال یہ رہا ہے کہ وہ محض ایک تعلیمی ادارہ اور درسگاہ ہے جہاں اور بہت سے دینی و عربی مدارس کی طرح متداول دینی علوم و مضامین اور عربی زبان کی تعلیم کا معقول انتظام ہے، یہ اور بات ہے کہ دوسرے مدارس کی بہ نسبت یہاں کے فضلاء میں زیادہ توسع یا بعض لوگوں کی تعبیر کے مطابق زیادہ "آزادی" پائی جاتی ہے۔

لیکن درحقیقت یہ ندوۃ العلماء کی بہت ناقص اور غلط تصویر ہے، اس کی وجہ سے وہ نصب العین ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس کے لئے ندوۃ العلماء تقریباً ستر سال سے کوشاں ہے،

ندوۃ العلماء پہلے ایک نصب العین اور تحریک ہے، اس کے بعد وہ ایک مدرسہ اور تعلیم گاہ ہے، پہلے وہ ایک تخیل اور دعوت ہے، اس کے بعد اس تخیل کو عملی شکل دینے کے لئے ایک تربیت گاہ یا تجربہ گاہ ہے۔

یہ نصب العین یہ ہے کہ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم، فیضل اللہ من یشاء ویھدی من یشاء (اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر ان ہی کی قوم کی زبان میں تاکہ کھول کھول کر بیان کریں ان سے پس جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کو گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت کے لئے وہی اسلوب اور طرز اختیار کرنا چاہیے جسکو اس زمانہ کا ذہن و مزاج اچھی طرح سمجھ سکے، اور اس کو اس میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، یعنی ایسی زبان استعمال نہ کی جائے جو متروک یا فرسودہ یا تیسرے درجے کی زبان بھی جاتی ہو، وہ مثالیں اور تشبیہات نہ ہوں جن کا رواج ختم ہو چکا ہے، وہ اسلوب بیان و طرز کلام نہ ہو جو زمانہ کے ذوق پر گراں اس کی طبیعت کے لئے نامانوس اور اس کے عقل و فہم کے لئے ناقابل قبول ہو،

اسی طرح ان علوم و مضامین کو جن کو اسلامی یا غیر اسلامی کے خانے میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور جو "علم نافع" اور (الحکمۃ ضالۃ المؤمن) کے دائرہ میں آتے ہیں مثلاً تاریخ، جغرافیہ، سائنس، ریاضی وغیرہ ان کا ضروری اور مفید حصہ نصاب میں شامل کیا جائے، اس کے علاوہ جدید سیاسی اور اشتراکی نظاموں کے مطالعہ کا بھی انتظام ہو اور اس طور پر ہو کہ ان کے مقابلہ میں اسلام کی برتری طالب علم پر اچھی طرح آشکارا ہو جائے، ان کی مرعوبیت اس کے [illegible] سے نکل جائے اور اسلام کی عظمت کا نقش اس کے دل و دماغ پر اس طرح قائم ہو کہ مادیت و مغربیت کی بڑی سے بڑی سحر انگیزی اور نظر بندی اس پر اثر انداز نہ ہو اور اگر کسی لمحہ کے لئے ایسا ہو بھی جائے تو جیسا کہ قرآن مجید نے کہا ہے، ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون واخوانھم یمدونھم فی الغی ثم لا یقصرون (یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں تو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، اور جو شیطان کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے) ان کو جلد اصل حقیقت کا پتہ لگ جائے اور وہ دوبارہ روشنی میں آجائیں۔

اس سرمایہ، اس ذہن و فکر، اور اس سیرت و کردار کے ساتھ وہ اس دنیا میں آئیں جس دنیا میں آج فتنوں کا ہجوم اور ترغیبات کا اور علم و ادب و تہذیب و ترقی کے نام پر جاہلی بداخلاقی، ہوس پرستی اور حیوانیت و درندگی کا رواج ہے۔

موجودہ دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے جس حسن یقین اور حسن نظر اور جس دعوت اور نصب العین کی ضرورت ہے وہ یہی نصب العین ہے جس کا ندوۃ العلماء پرجوش داعی اور علمبردار ہے اور اس کی خواہش اور کوشش ہے کہ کم از کم ملت اسلامی کے سامنے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے اور اب اس میں دو رائیں نہ ہوں کہ حقائق سے گریز کے ساتھ نہیں بلکہ حقائق کو تسلیم کر کے پوری جرأت کے ساتھ ہمیں اس منجدھار میں اترنا ہے جس کو ہم زندگی کا منجدھار کہہ سکتے ہیں، اور جس کے لئے بڑے عزم و یقین اور بڑے حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے۔

ایک اہم اطلاع

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تعمیر حیات کا پہلا سال اس شمارہ کے ساتھ پورا ہو رہا ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ۱۰ نومبر کا پرچہ سال دوم کا پہلا شمارہ ہوگا، ہمیں خدا سے امید ہے کہ نئے سال کا آغاز ان شاء اللہ ہم زیادہ بہتر شکل میں کر سکیں گے اور حسن ظاہر اور حسن باطن دونوں کے لحاظ سے رسالہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ صورت میں آپ کے سامنے آئیگا، لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے ہمارے سامنے ایک واضح نصب العین اور مقصد ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمارے دوسرے بھائی بھی اس لگن کے ساتھ ہمارا ہاتھ بٹائیں جو اس مقصد کے شایان شان ہو، وہ ایک ہمہ اور دعوت کی حیثیت سے تعمیر حیات کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں
[illegible]

حضرت حکیم الامت کے فتوے کا بے محل استعمال

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی

۹ اکتوبر ۱۹۶۴ء مطابق ۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ یوم جمعہ کے "نوائے وقت" لاہور میں سیدی و مرشدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ عورت کی امارت کے متعلق امداد الفتاویٰ سے نقل کیا گیا ہے۔ اسے دیکھ کر اس مسئلہ کے بارے میں بعض حضرات کو غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے سے راقم السطور کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن جو حضرات موجودہ صورت حال پر اس کا انطباق کر رہے ہیں وہ سخت غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں:

یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مفتی کے سامنے جو صورت حال پیش کر کے سوال اٹھایا جائیگا اس کے متعلق وہ حکم شرعی بیان کرے گا۔ لیکن اگر صورت حال بدلی ہوئی ہو تو فتویٰ بھی اس پر منطبق نہ ہوگا اور نہ وہ حکم شرعی اس پر عائد ہوگا جو دوسری صورت کی بنا پر بیان کیا گیا تھا۔ حاصل یہ کہ فتویٰ صورت واقعہ کے تابع ہوتا ہے اگر صورت واقعہ تبدیل ہو جائے گی تو فتویٰ بھی تبدیل ہو جائے گا۔

یہاں معاملہ ایسا ہی ہے۔ حضرت موصوف نے جس صورت حال کے متعلق فتویٰ دیا تھا وہ صورت حال صدارت پاکستان کی نہیں ہے۔ حضرت موصوف کے فتوے کی بنیاد اس واقعہ پر تھی کہ جمہوری حکومت میں صدر کی حیثیت محض ایک مشیر کی ہوتی ہے اور عورت مشیر بننے کی اہلیت رکھتی ہے اس لئے اسے صدر بنانا جائز ہے۔ چنانچہ اسی فتوے میں تحریر فرماتے ہیں:

"مثال ثالث کی ۔۔۔ کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والی صوری۔ درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے اور والی حقیقی مجموعہ مشیروں کا۔"

چند سطروں کے بعد اس بنیاد کو حضرت نے اور واضح فرما دیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"پس قرآن سے ظاہر ثابت ہو گیا کہ سلطنت جمہوری عورت کی ہو سکتی ہے جو قسم ثالث ہے حکومت کے اقسام ثلاثہ مذکورہ میں ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے اور عورت اہل ہے مشورہ کی۔"

ان سطور سے صاف ظاہر ہے کہ اگر صدر جمہوریہ کی حیثیت محض مشیر کی ہو تو عورت کو اس منصب پر فائز کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ حضرت موصوف کا ملکہ سبا کے واقعہ سے استدلال بھی یہی بتا رہا ہے کہ حضرت کی مراد وہی حکومت ہے جس میں حکمران عورت کسی مرد حاکم کی (خواہ وہ کوئی شخص ہو یا مردوں کی جماعت) تابع ہو۔ اس لئے کہ ملکہ سبا اسلام لانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھیں اور ان کی حکومت درحقیقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی وہ صدر جمہوریہ پاکستان کی طرح حکمران اعلیٰ نہیں تھیں۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو اور صدر جمہوریہ کی حیثیت محض مشیر کی نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر ایک صاحب اقتدار حاکم اور والی کی ہو تو اس صورت میں حضرت ممدوح کا یہ فتویٰ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف اس وقت حکم شرعی وہ ہے جسے حضرت ممدوح نے اس فتوے کے شروع میں بیان فرمایا ہے۔

"حکومت کی تین قسمیں ہیں ایک قسم جو تام ہو اور عام بھی ہو۔ تام سے مراد یہ ہے کہ حاکم بالفعل خود مختار ہو یعنی اس کی حکومت شخصی ہو اور اس کے حکم میں کسی حاکم اعلیٰ کی منظوری ضروری نہ ہو گو اس کا حاکم ہونا اس پر موقوف ہو۔"

اگر صدر جمہوریہ کی حیثیت یہ ہو کہ اسے احکام صادر کرنے میں کسی اپنے سے اعلیٰ حاکم کی منظوری کی حاجت نہ ہو تو عورت کو اس منصب پر فائز کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حدیث میں پہلی قسم ہے"

یعنی حدیث نبوی "لن یفلح قوم" الحدیث میں ولایت و حکومت سے مراد مندرجہ بالا پہلی قسم ہے اور اس صورت میں عورت کو صدر جمہوریہ اور سربراہ حکومت بنانا جائز نہیں ہے یہی رائے جمہور فقہا کی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ نے ان سے کوئی اختلاف نہیں فرمایا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ صدر جمہوریہ پاکستان کی حیثیت از روئے دستور یا واقعہ کیا ہے؟ کیا اس کی حیثیت محض مشیر کی ہوتی ہے؟ کیا وہ اپنے احکام کے نفاذ کے لئے کسی اپنے سے بالادست حاکم کی منظوری کا محتاج ہوتا ہے کیا پوری سلطنت میں کوئی اس سے بالادست حاکم نہیں ہوتا ہے؟

واقعات بتا رہے ہیں کہ ان سب سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ اگر صدر جمہوریہ پاکستان کی حیثیت صرف ایک مشیر کی ہے تو ایوب خاں صاحب سے اہل پاکستان کیوں اس قدر شاکی ہیں اور ان کی آمریت کا شکوہ کیوں کرتے ہیں؟ ابھی کل کی بات ہے کہ سکندر مرزا نے اسی صدارت کو ایک شخصی سلطنت میں تبدیل کر دینے کا خواب دیکھا تھا اور بغیر کسی دقت و پریشانی کے پارلیمنٹ وغیرہ کو ختم کر کے ایک خود مختار حکمران بن بیٹھے تھے۔ وہ تو کہئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص پاکستان پر تھا جو اسے اس مصیبت سے نجات مل گئی۔

اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت مرشدی قدس سرہ کے فتوے میں جس جمہوریت کا حکم فرمایا گیا ہے وہ اب شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں پائی جاتی ہو۔ پاکستان میں تو یقیناً اس کا وجود نہیں ہے عام مروجہ جمہوریتوں کی طرح پاکستان میں بھی تنفیذی اختیارات (EXICUTIVE POWERS) تو کلیۃً صدر جمہوریہ ہی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں صرف تشریع (LEGISLATICN) پر اسے کامل اختیار نہیں حاصل ہوتا، لیکن اس پر بھی اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں اسے پارلیمنٹ کو توڑنے اور کل اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینے کا بھی حق ہوتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی چیزیں ہیں جن سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ صدر جمہوریہ پاکستان کی حیثیت محض ایک مشیر کی نہیں ہوتی جب یہ بنیاد ہی صحیح نہیں ہے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اپنی جگہ بالکل صحیح ہونے کے باوجود اس صورت حال پر منطبق نہیں ہوتا اور اس سے ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مندرجہ ... کے برخلاف اسی فتوے سے اس کا ناجائز ہونا ..... معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اوپر منقول ہو چکا ہے۔

بقیہ ادارتی نوٹ

ادارے کے لئے نئے سرے سے کوشش شروع کر دیں یا اپنی کوشش تیز کر دیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی اور رسالے کے سب خریدار جوش اور خوشدلی کے ساتھ اس مہم میں شریک ہونگے۔

وما توفیقی الا باللہ

چند دن دیار غیر میں

یورپ کی کہانی ندوی سیاح کی زبانی

(۵)

مولانا عبد اللہ عباس ندوی

اسلامک سنٹر اور مشرقی لندن کی مسجد:

جمعہ کی نماز اپنے نو مسلم رہنما مصطفےٰ کے ساتھ اسلامک سنٹر میں ادا کی۔ یہ سنٹر بیرونی ممالک کے مسلمانوں نے قائم کیا ہے اس کے اخراجات مسلم حکومتوں کے سفارت خانے برداشت کرتے ہیں۔ مصری حکومت امام اپنے ملک سے منتخب کر کے بھیجتی ہے یہی امام ڈائرکٹر بھی ہوتا ہے۔ اس کی تنخواہ چار سو پونڈ ماہوار ہے جو مصر ہی ادا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے وزیر اعظم کی بھی اتنی تنخواہ نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا فائدہ بھی مصر کو سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلامک سنٹر عملی طور پر مصر کے مرکز نشر و اشاعت کا کام کرتا ہے۔ یہ سنٹر پارک روڈ کے ایک وسیع و خوشنما بنگلہ میں قائم کیا گیا ہے۔ پہلی منزل میں چار بڑے بڑے ہال ہیں، جن میں دو کمروں میں جمعہ و عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں۔ ایک میں کتب خانہ اور ایک میں دار المطالعہ ہے۔ اوپر والی منزل میں امام صاحب کی اقامت گاہ ہے دفاتر اور ملاقاتوں کے کمرے ہیں۔ باہر ایک صحن ہے جہاں گاڑیاں پارک کرنے کی جگہ بنی ہوئی ہے وضو کرنے کے لئے صرف ایک بیسن (BASIN) ہے۔ طہارت و استنجے کی جگہیں، اسی ملک کے رواج کے مطابق ہیں۔ جہاں یہ مرکز ہے جب ہم لوگ نماز کے لئے پہونچے اس وقت دونوں کمرے نمازیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جن میں زیادہ تعداد ہندوستانی پاکستانی مسلمانوں کی تھی۔ اس کے بعد زیادہ تعداد افریقی سیاہ رنگت والے مسلمانوں کی تھی، عرب بہت تھوڑے تھے حالانکہ ان کی آبادی لندن میں بہت کافی ہے۔ علاوہ کاروباریوں اور ملازمت کرنے والوں کے صرف طلبہ تیس ہزار ہیں۔ مصری مؤذن نے خوش الحانی کے ساتھ اذان دی۔ امام صاحب ننگے سر اور پورے سوٹ میں تھے۔ ایک تپائی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا ابتدائی حمد و صلوٰۃ چند جملے عربی میں ادا کئے۔ اس کے بعد وحدت اسلامی پر ایک طویل اور اکتا دینے والی تقریر کی۔

اسلامک سنٹر اور نماز جمعہ کا ذکر آ گیا ہے تو اسی سلسلہ میں لندن کی ایک دوسری مسجد کا بھی ذکر کر دوں جو ایسٹ لندن مانسک کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بھی ایک چار منزلہ عمارت لب سڑک واقع ہے اور دہلی کی تبلیغی جماعت کے اصول پر کام کرنے والے مسلمان اس کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں موجودہ امام بمبئی کے قاری محمد ابراہیم صاحب ہیں۔ صورت و شکل سے دیندار، لباس اور وضع قطع ہندوستانی طرز کے علماء کی ہے۔ نماز کے آداب و سنن کا اس مسجد میں پورا لحاظ رکھا جاتا ہے اور اسلامک سنٹر کی طرح صرف جمعہ و عیدین ہی کی نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ پنج وقتہ نمازیں پابندیٔ وقت سے ہوتی ہیں [illegible] کی برکت سے دو چار ہمیشہ تہجد گذار اور ذکر کرنے والے افراد بھی رہتے ہیں۔ لندن کے مکانات میں ایک منزل تہ خانہ کی بھی شمار ہوتی ہے۔ جس کو بیسمنٹ کہتے ہیں۔ اس مسجد کے بیسمنٹ میں بڑی نفاست کے ساتھ ہندوستانی مساجد کے طرز پر وضو کے لئے پانی کے نل لگائے ہیں۔ غسل و طہارت کے لئے معقول انتظام ہے۔

اس مسجد میں تسلیم علی بنگالی نامی ایک درویش صفت مسلمان ہیں جو تقریباً ۱۵ سال سے لندن میں رہتے ہیں جب یہاں حلال ذبیحہ کا انتظام نہ تھا۔ اس زمانہ میں یہودیوں کے حلال کئے ہوئے جانوروں کا گوشت اکٹھا کر کے فروخت کیا کرتے تھے۔ پھر سب سے پہلے انھوں ہی نے حکومت سے خاص اجازت نامہ حاصل کر کے مسلم ذبیحہ کا انتظام کیا اور دکان لگائی جب عام اجازت ہو گئی تو اس مشغلہ سے دستبردار ہو گئے اب زیادہ تر تبلیغی جماعت کی نصرت میں وقت صرف کرتے ہیں مگر ایک خدمت انھوں نے اپنے ذمہ ایسی لے رکھی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد درویش کو اس کے لئے مامور فرما لیا ہے اور جس کی قدر و قیمت کا اندازہ لندن ہی میں رہ کر ہو سکتا ہے۔ یعنی مسلمان مُردوں کی تجہیز و تکفین اور سنت کے مطابق غسل دینے کی خدمت، صورت حال یہ ہے کہ اس وقت اس شہر میں کم سے کم اندازہ کے مطابق ایک لاکھ مسلمان ہیں اتنی بڑی تعداد ہے تو دو چار کا مرنا اور پیدا ہونا بھی قدرتی بات ہے۔ جو مسلمان یہاں ہیں، وہ یا تو ناخواندہ مزدور وغیرہ ہیں یا صاحب بہادر لوگ ہیں۔ پیدائش کی مہم تو خیر اسپتالوں میں طے ہو جاتی ہے۔ لیکن مرنے والوں کے لئے کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کو سنت کے مطابق غسل دے۔ کفن پہنائے۔ تسلیم علی بنگالی کو جہاں بھی پتہ چلا کہ فلاں جگہ میت ہو گئی ہے یہ بے چارہ محض خدا کی رضا کے لئے وہاں پہونچ کر یہ خدمت انجام دیتا ہے۔ ورنہ قانون کے مطابق لاش عیسائی محکمۂ اموات کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ جو معلوم نہیں تابوت میں بند کر دیتے تھے۔ موت تو ہر جگہ باعث الم ہوتی ہے۔ لیکن یہاں اس کی المناکی یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ میت کے ورثہ کو مالی زیر باری کافی ہوتی ہے۔ ایک میت پر کم از کم ستر پونڈ کا خرچ آتا ہے۔ یعنی پونے چودہ سو روپے ہندستانی کیونکہ ہر لاش ایک تابوت میں رکھی جاتی ہے جو پچاس ساٹھ پونڈ کا تیار ہوتا ہے۔ پھر ایک خاص محکمہ کی گاڑیاں اس تابوت کو لے جاتی ہیں۔ اس کی فیس اور کرایہ وغیرہ۔ دوسری دشواری یہ ہے کہ موت خواہ جس روز بھی ہو۔ نماز جنازہ کے لئے جمعہ ہی کو مسلمانوں کا اجتماع ممکن ہے۔ دوسرے لوگ جو شرکت جنازہ کے لئے آ سکتے ہیں وہ اتوار سے پہلے نہیں آ سکتے۔ اس لئے لاشیں سات آٹھ دن تک بغیر تدفین کے پڑی رہتی ہیں اور یہ بات پردیسی مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ خود انگریزوں کا بھی یہی حال ہے۔ موت کی ذیلی الجھنیں بھی کافی برہم کرتی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بعض انشورنس کمپنیاں ایسی ہیں جو تجہیز و تکفین کا ٹھیکہ لیتی ہیں اور جن لوگوں کے پاس پسماندہ رقم نہیں ہوتی، زیادہ لاوارث ہوتے ہیں، وہ اپنی زندگی ہی میں اپنی تجہیز و تکفین کے لئے ماہوار ایک رقم کمپنی میں جمع کرتے رہتے ہیں۔ الحمد للہ کہ اسلام نے جو سادگی و سہولت بخشی ہے۔ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ یہاں ہوتا ہے۔ جب دوسری معاشرتوں سے اس کا موازنہ کیا جائے۔ بہرحال یہ موت و جنازہ کا ذکر تھا ممکن ہے۔ ہائے کسی قاری پر بار خاطر ہوا ہو وہ مجھ سے لندن کی اس زندگی کا حال سننے کے منتظر ہوں گے جس کی شہرت یہی ہے کہ "ہمہ شوخ و غمزہ ہمہ رنگ و بو" جہاں اکثر سیاح "نگاہیں الجھتی ہوئی" ہر قدم پر دیکھتے ہیں۔ لیکن اپنی بد ذوقی کو کیا کروں کہ مجھے خود بھی اس لندن کا پتہ نہیں چلا۔ ایک عشرہ تو اس مصروفیت میں گذرا جس کے لئے یہ سفر ہوا تھا۔ اس دفتری ضرورت کے ختم ہونے کے بعد بیز واٹر کے علاقہ میں ایک کمرہ لیا۔ مکان کی مالک ایک روسی خاتون تھیں جو اپنے خاندان کے ساتھ اسی فلیٹ میں رہتی تھی۔ لیکن روسی مظالم کا شکار تھی۔ اہل مشرق کو احترام سے دیکھتی اور اکثر اپنے پرانے کرایہ داروں ایران کی داد و دہش کا ذکر کرتی رہتی تھی۔ یہاں آنے کے بعد میری غالب علمی مشغولیت شروع ہو گئی۔ دن کا اکثر حصہ برٹش میوزیم کی لائبریری یا انڈیا آفس کی لائبریری میں گذرنے لگا۔ البتہ شام کا ایک معمول سا ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر قدیر بیگ آ جاتے یا ٹیلیفون سے طے ہو جاتا

اور ہم لوگ کسی متعین جگہ مل جاتے، پھر وہاں سے تقریباً ایک میل پیدل کر ایک چائے خانے میں پہنچتے۔ جہاں دارجلنگ کی چائے بہت نفاست سے پیش کی جاتی تھی اور اکثر یہ شام کی سیر حلال ریسٹورنٹ "پر آکر ختم ہوتی۔ جہاں کھانا کھا کر ہم لوگ اپنی قیام گاہوں پر واپس آجاتے۔ ایک اہم مسئلہ دن کے کھانے کا تھا۔ برٹش میوزیم سے "حلال ریسٹورنٹ" تک آنے جانے کے لئے ایک گھنٹہ سے زیادہ صرف ہوتا اور اکثر بارش ہوتی رہتی۔ ایک دن تو ہمت کی کہ خود کھانا پکائیں گے اور صبح کو لائبریری یا یونیورسٹی جانے سے پہلے ہی کھا لیا کریں گے۔ ضروری سامان اور برتن وغیرہ خرید لائے۔ لیکن پکانے کی نوبت ایک ہی بار آئی۔ کیونکہ فن طباخی میں مہارت نہ سہی سد رمق کے لئے کسی نہ کسی طرح کچھ ابال ہی لیتے لیکن کھانے کے بعد برتن دھونا انتہائی غیر شاعرانہ کام تھا۔ اس لئے دوبارہ اس تجربہ کی ضرورت نہیں آئی۔ ہالنڈ دیکھنے کی ہم دھن لگتی رہی۔ یہ خیال تھا کہ ابھی کئی ماہ یہاں رہنا ہے جب چاہیں گے دیکھ لیں گے۔ نیشنل گیلری ایک روز مصطفیٰ بلال کے ساتھ جاکر دیکھ آئے تھے۔ اس کی شہرت بہت سنی تھی۔ یہاں قلمی رنگین تصاویر کا بے نظیر مجموعہ ہے۔ قدآدم اور اس سے بھی بڑے بڑے فریموں میں حضرت مسیح کی خیالی شبیہیں ہیں۔ ان تصویروں میں احساسات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فنی باریکیوں کا تو کیا ذکر۔ ایک ایک رو میں اور باریک سے باریک رنگوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ البتہ عیسائی بت پرستوں کی یہ بات زیادہ افسوسناک نظر آئی کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی خیالی تصویروں میں عریانیت بہت تھی۔ کیونکہ وہ ان کے عہد کے لباس اور معاشرت کو ظاہر کرنا چاہتے ہونگے لیکن اس سے قطع نظر جہاں تک فن کا تعلق ہے اس کی داد تو اہل فن ہی دے سکتے تھے۔ پھر بھی جو بات ہر سیاح کے لئے موجب حیرت ہوتی ہے، وہ انفعالات و احساسات کی ترجمانی کی کامیاب کوشش ہے۔

ہائیڈ پارک:

ڈاکٹر بیگ سے میں نے ایک روز کہا کہ مجھے کسی روز ہائیڈ پارک دکھا دیجئے۔ اس کی بہت شہرت سنتا آیا ہوں بیگ صاحب نے کچھ بزرگانہ انداز میں پہلے تو معنی خیز نظروں سے دیکھا، گویا کہہ رہے ہوں کہ اچھا یہ شوق بھی آپ کو ہے۔ پھر کہنے لگے اتوار کو چلیں گے۔ پروگرام کے مطابق ایک اتوار کو وہاں پہنچے ایک طول طویل باغ ہے۔ جو شہر کے بڑے حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ ابتدائی حصہ اسپیکر کارنر کے نام سے مشہور ہے جس کا ترجمہ زاویۂ خطبا کیا جاسکتا ہے۔ اتوار کی شام یہاں خصوصی چہل پہل رہتی ہے۔ جسکو اپنے دل کا بخار نکالنا ہو وہاں پہونچ کر کسی جگہ کھڑے ہو جائیے، بولنا شروع کر دے۔ لوگ اس کے اردگرد جمع ہونے لگیں گے۔ اگر زبان میں طاقت اور حجت میں قوت ہے تو اچھا خاصا مجمع اس کے گرد اکٹھا ہو جائے گا۔ عیسائی مشنری کے دو تین گروپ لازماً ہوتے ہیں۔ یہودیوں کا بھی ایک اسٹیج ہے۔ اسٹیج کے لفظ سے دھوکہ نہ ہو۔ ایک اونچی کرسی۔ تپائی، یا کوئی چیز جس پر مقرر لوگوں کو مخاطب کر سکے وہ اسٹیج ہے۔ اکثر گروپ اپنے ساتھ اپنا اسٹیج لے کر آتے ہیں۔ افریقیوں کی خطابت بڑی شعلہ بیانی کے ساتھ چلتی رہتی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ پاکستانیوں نے بھی دو اسٹیج بنا رکھے ہیں۔ ایک کشمیر فرنٹ کے نام سے اور ایک پاکستان کے سائن بورڈ کے ساتھ۔ پاکستانیوں کا سمجھا ہوا موضوع عموماً ہندوستان اور ہندوستانی سربراہ کو گالیاں دینا ہوتا ہے۔ ادھر سامعین میں ہر مذہب و ہر ملک کے لوگ ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر یہ منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ مقرر نے اثنائے تقریر میں ہندوستان کے خلاف کوئی بات کہی۔ اس کا جواب سامعین میں سے کسی نے اسی لہجہ و زبان میں دیا۔ جواب الجواب فضا اور تلخی سے مقرر نے دیا۔ ادھر سے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا گیا۔ پھر خالص ہندوستانی زبان میں مغلظات کا تبادلہ شروع ہو گیا۔ انگریز مرد و عورتیں حیرت سے اس گرم بازاری کو دیکھتے اور ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ یہ کیا ہونے لگا۔ میں نے دیکھا کہ پاکستانی اسٹیج سے قریب پولیس کا پہرہ تھا۔ اس کے علاوہ کہیں بھی پولیس نظر نہیں آئی۔ ڈاکٹر بیگ سے اس کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے کہ یہ ہمارے بات کے دھنی بھائی معلوم نہیں کب زور بیان دکھانے کے بجائے زور بازو کی آزمائش پر اتر آئیں اس لئے پولیس یہاں موجود رہتی ہے۔ حالانکہ جہاں تک آزادئ تقریر کا معاملہ ہے اس میں ہائیڈ پارک کی آزادی بطور مثال کے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

ہائیڈ پارک کی دوسری آزادیاں بھی بہت مشہور ہیں اور وہ کلاب و خنازیر کی طرح انسانی جوڑوں کا سرِعام اس طرح ملنا جس کی تفصیل سے بے حیائی کو بھی حیا آنے لگے معلوم ہوا کہ گذشتہ چند سال سے حکومت نے قانوناً اس پر پابندی لگادی ہے۔ لیکن اس پابندی کی حد جہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کی منزلیں بھی کچھ کم حیا سوز نہیں ہیں۔ تمرد و خنزیر کی پروردہ قوم اپنے نظام زندگی کے اس گھناؤنے اور تاریک پہلو پر نظر ثانی کرنے لگی ہے اور اس کو محسوس ہو رہا ہے کہ جنسی آزادی نے اس کو انسانیت کے حدود سے گرا کر پست درجے کے جانوروں کی سطح پر کھڑا کر دیا ہے۔ اب بات بالکل نکل پڑی ہے تو "دلیسوں جارنل" کا بھی ذکر کر دوں۔ یہ ایک فرنچ طبی رسالہ ہے جس نے جنوری ۱۹۷۱ء کے شمارہ میں یورپ کے مختلف شہروں میں ان بیماریوں کے اعداد و شمار شائع کئے تھے۔ جو ان معصیتوں سے پیدا ہوتی ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اس رسالہ کی تحقیق کی بنا پر فرانس میں ہر پانچ آدمیوں میں سے دو سفلس اور گنوریا کا مریض ہے۔ ہر چھ آدمیوں میں سے ایک ایک ایسے جنسی مرض کا شکار ہے جس میں مریض خارش زدہ کتے کی طرح اپنے جسم کو نوچتا رہتا ہے۔ ہر نو آدمیوں میں سے ایک دماغی اختلال میں مبتلا ہے۔ رسالہ نے لکھا تھا کہ اگر تباہ کن ہتھیاروں اور راکٹوں کی ایجاد نہیں ہوتی، تو یورپ کی فوج دنیا کی سب سے زیادہ بزدل، کمزور اور اپاہج فوج ہوتی۔ کیونکہ یورپ کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس کی فوج میں ۶۰ فیصد سے زیادہ کو اندر ہی اندر سے گھن نہ لگ گیا ہو۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اب برطانیہ، ہالینڈ، اسپین وغیرہ میں اخلاقی ضوابط کو نئے سرے سے اہمیت دی جانے لگی ہے۔ البتہ مغربی و مشرقی ایشیا میں اور افریقہ کے ممالک جو نئے نئے آزاد ہوئے ہیں۔ ان کا سفر اس خارزار پر اب شروع ہو رہا ہے جس کو طے کرنے کے بعد مغرب اپنے تلووں کے کانٹے چن رہا ہے۔ (باقی)

بقیہ علم اور دعوت

مادی غلبہ کی فضا اور فسق و فجور کے ماحول کا اندازہ ہے — حکیم مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنے فرزند جاوید کو لندن سے ایک منظوم خط لکھا تھا اس کے ایک شعر میں عصر حاضر کا تجزیہ انھوں نے بڑی خوبی سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

غارت گرِ دیں ہے یہ زمانہ
ہے اس کا مزاج کافرانہ

دین کش ماحول اور کافرانہ مزاج کے معاشرے میں یہی کیا کم بات ہے کہ ایک شخص صرف دعوت غیر کی برکت سے ان منکرات سے محفوظ ہے اور اس کی دین سے وابستگی اور ایمان پر استقامت دوسروں کے لئے نمونہ ہو۔

بعض دینی تحریکوں کی وجہ سے عوام میں جو دینی استقامت اور دین پر سرفروشی کا جذبہ اور دین کی مخلصانہ خدمت کا داعیہ پیدا ہو گیا ہے وہ علماء کے لئے قابل رشک ہے۔ اس قسم کے مثالی مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اب بھی پیدا ہو سکتی ہے بشرطیکہ تمام مسلمان بالعموم اور تمام اہل علم خاص طور پر دعوت دین کو اپنی زندگی کا مقصد و مشن اور اپنی صلاحیت و محنت کا مرکز و موضوع بنائیں ؎

نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

خطابِ بہ مسلم

سید نسیم الحق گیاوی

زمانہ لے رہا ہے آج مسلم امتحاں تیرا
مخالف ہوگیا ہے دیکھ اب سارا جہاں تیرا

تری کمزوریوں پر کفر ہے اب خندہ زن مسلم
تری غفلت سے خطرے میں ہے تیرا جان و تن مسلم

عدو کے خون سے رہنے لگا ہے اب ہراساں تو
لرزتے تھے جو پہلے تجھ سے اب ہے جان سے لرزاں تو

پیاپے ہو رہی ہے تیری خونریزی و بربادی
نہیں پیدا ہوئی افسوس پھر بھی تجھ میں بیداری

کیا کس مقبرے میں دفن تونے اپنی غیرت کو؟
ڈبو آیا کہاں کس بحر میں اپنی حمیت کو؟

دلیری اور شجاعت چھین لی تجھ سے بتا کس نے؟
تجھے کم ہمتی اور بزدلی کر دی عطا کس نے؟

وقار و دبدبہ اپنا کہاں گم کر دیا تونے؟
وہ نعرہ جس سے تھرّاتی تھی دنیا کیا کیا تونے؟

نہیں ہے کیوں تمنائے شہادت اب ترے دل میں؟
وہ جاں دینے میں پہلی سی مسرت اب تجھے دل میں

وہ جاں بازی و بے خوفی تجھے عزت ملی جس سے
کہاں کھو آیا اے مسلم وہ شے عظمت ملی جس سے

ترے دل میں نہیں ہے آج مسلم نور ایمانی
نہ پیشانی پہ تیری ہے وہ پہلی سی درخشانی

ترے ایماں میں اب پختگی باقی نہیں مسلم
بہت کمزور ہے اللہ پر تیرا یقیں مسلم!

ہوئی کمزوریٔ ایماں سے مسلم تیری یہ حالت
بُرے اعمال کا پھل ہے یہ ذلت اور یہ نکبت

یہ تیری غفلتیں کب تک کہاں تک ذلت و خواری
سنبھل جائے اگر اب بھی تو مل سکتی ہے سرداری

خدا کے ڈر سے اے مسلم ترا دل ہو گیا عاری
نتیجہ اس کا یہ ہے تجھ پہ غیروں کا ہے ڈر طاری

تو اپنے دل میں اے مسلم خدا کا خوف پیدا کر
کسی سے بھی بجز اللہ کے نہ ہرگز خوف کھایا کر

رسول اللہ کی الفت کا ہے تجھ کو اگر دعویٰ
تو ان کی سنتوں پر آج سے ہو جا عمل پیرا

اگرچہ تجھ کو بھی ترے دل میں صحابہ کی محبت ہے
تو ان کی پیروی کر اب اسی میں تیری نصرت ہے

اگر یہ چاہتا ہے تو دو عالم میں ملے عزت
مشائخ سے اماموں سے بزرگوں سے تو کر الفت

زبانی دعوئ الفت مگر بیکار ہے تیرا
عمل سے اپنے ثابت کر مسلماں اپنا یہ دعویٰ

خدا راضی ہے جن کاموں سے ان کاموں کی جانب پھر
خدا ناراض ہے جن سے تو ان باتوں سے توبہ کر

وہی پہلی سی جانبازی و بے خوفی تو پیدا کر
چھپی ہے تیرے اندر جو شجاعت وہ تو پیدا کر

جو تیرے درپئے آزار ہیں ان کو سبق دے دے
دلیری اور تدبر سے جہاں کو فتح پھر کر لے

شجاعت اور سخاوت جوہر اخلاق پیدا کر
یہ دنیا سرنگوں ہو جائے گی پھر تیرے قدموں پر

شعار اپنا بنالے تو خدا کے خلق کی خدمت
اسی میں تیری پوشیدہ ہے نصرت عزت و عظمت

دلوں کو فتح کر لے حسن اخلاق و محبت سے
نہیں دل فتح ہوتے ہیں کبھی بغض و عداوت سے

ترے اندر صحابہ کی سی سیرت ہو اگر پیدا
تو قدر و منزلت کرنے لگے گی پھر تری دنیا

بُرے اعمال کو اب چھوڑ کر پھر محترم ہو جا
تو پھر اعمال صالح کی بدولت محتشم ہو جا

بجائے آج تو دنیا میں پھر توحید کا ڈنکا
دلوں میں گاڑ دے اک بار پھر اسلام کا جھنڈا

خدایا قوم مسلم کو تو پھر ذوق عمل دے دے
نسیم بے عمل کو بھی تو اب شوق عمل دے دے

حقائق

دل ایوبی ٹونکی

دل اگر غرقِ محیطِ لاالہ ہو جائے گا
رازِ الا اللہ کا رمز آشنا ہو جائے گا

یار کا دیدار کرنا ہے تو اپنی سیر کر
جس قدر دیکھے گا خود کو آئینہ ہو جائے گا

دل کی نگرانی کئے جا جس قدر بھی ہو سکے
خود بخود دل بے نیازِ ماسوا ہو جائے گا

اکتسابِ نور کرتا رہ خیالِ دوست سے
ایک دن آئے گا تو بھی مہ لقا ہو جائے گا

ہجر میں ہر ہر نفس کو مبتلائے یار رکھ
وصل میں خود یار تیرا مبتلا ہو جائے گا

قطرۂ ناچیز بحرِ بے کراں میں ڈوب کر
بے نیازِ ابتدا و انتہا ہو جائے گا

اپنا عرفاں ہی بقائے دائمی کا نام ہے
جو کوئی خود کو نہ سمجھے گا فنا ہو جائے گا

ہمارا تذکرہ ہے داستانِ درد داستاں ساقی

قمر سنبھلی

وہ پہلا سا سماں اگلی سی وہ باتیں کہاں ساقی
زمیں ہم سے پھری بدلا ہے پھر آسماں ساقی

وہ دورِ میکشی وہ جام وہ بادہ کہاں ساقی
کہ رندانِ قدح کش آج ہیں فاقہ کشاں ساقی

ہمیں کیا گردشِ دوراں مٹائے گی زمانے سے
ہمارا تذکرہ ہے داستانِ درد داستاں ساقی

بزعمِ جہل اسے راحت کدہ سمجھے ہیں دیوانے
یہ دنیا درحقیقت ایک ہے خوابِ گراں ساقی

نشانِ راہِ منزل رہ گیا چھپ کر غباروں میں
زمیں سے تا فلک اڑتی ہے گردِ کارواں ساقی

نظامِ میکدہ برہم کیا دورِ زمانہ نے
نہ وہ میخوار ہیں باقی نہ وہ پیرِ مغاں ساقی

یہ کیسا سرخ جوڑا مادرِ گیتی نے بدلا ہے
فضائے دہر سرتاسر ہوئی ہے خونفشاں ساقی

جہاں میخانۂ ہستی کے رہبر راہزن نکلیں
سلامت کیوں بھلا منزل پہ پہنچے کارواں ساقی

قمر کیا کوئی بھی مقصد کو اپنے پا نہیں سکتا
مخالف جبکہ ہو جائیں زمین و آسماں ساقی

علم اور دعوت

اسحاق جلیس ندوی

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے دل نشیں تبصرہ کے ساتھ آپ نے ۱۰ر اکتوبر کے ہفت روزہ صدق جدید میں یہ خبر پڑھی ہوگی۔

"جاپان میں ایک جزیرہ ہے جس کا نام ڈکشیا ہے۔ اس جزیرہ کی کل آبادی تو افراد پر مشتمل ہے۔ ایک پاکستانی تاجر تین برس سے یہاں آتے جاتے تھے یہ اگرچہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ لیکن اپنی ٹوٹی پھوٹی بولی میں اہل جزیرہ سے اسلام پر گفتگو کرتے اور اس کی تعلیمات بیان کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ اب پورا جزیرہ بھی مسلمان ہوگیا ہے —"

عصر حاضر میں اخبارات کی سنسنی خیز خبروں میں اس خبر کو شاید کوئی اہمیت نہ دی جائے مگر جنہیں ایمان عزیز ہے اور جو اسلام کے صراط مستقیم پر اس دنیا میں فلاح اور آخرت میں ذریعہ نجات کا اعتقاد رکھتے ہیں ان کے لئے یہ خبر باعث فرحت و فکر بھی ہے اور دعوت عمل بھی — وسائل آمدورفت اور ذرائع مواصلات اس دور کے مقابلہ میں قرن اول میں گویا کچھ نہیں تھے مگر اس کے باوجود جس تیزی سے اس دین حق کی دنیا میں اشاعت ہوئی وہ اپنوں اور غیروں کے لئے حیرت انگیز ہے — اس کامیابی کا راز یہ تھا کہ ہر مسلمان چاہے وہ تاجر ہو یا مزدور، آقا ہو یا غلام، عالم ہو یا عامی، دعوت کے جذبے سے سرشار تھا دنیا میں بہت سے ساحلی مقامات آپ کو ایسے ملیں گے جہاں صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین تجارت کی غرض سے پہونچے مگر اپنے مقصد و مشن کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتومنون باللہ (اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو) اس سے غافل نہیں رہے۔ نتیجہ یہ کہ بے سروسامانی کے عالم میں اسلام جس تیزی سے اس زمانہ میں پھیلا اس کے بعد آج تک اس کی نظیر دنیا کے کسی تحریک اور مذہب میں نہیں ملتی — مگر آج دنیا کے ستر کروڑ سے زائد مسلمان اس مشن کو فراموش کرنے کے نتیجہ میں اپنی امتیازی حیثیت اور مقام کو کھو چکے ہیں — اگر زندگی کے تمام شعبوں میں پھیلے ہوئے آج کے مسلمان اپنے اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کام کریں گے تو آج بھی دنیا میں

یدخلون فی دین اللہ افواجاً

اور "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے"

کا منظر نظر آجائے۔

مسلمان ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، طالب علم، کاریگر، مزدور، تاجر، سرمایہ دار اور غریب غرض ہر مسلمان اپنے اپنے مقام و ماحول کو اقامت دین اور تبلیغ اسلام کی حکیمانہ جدوجہد سے بدل سکتا ہے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر علمائے کرام ہیں جن کی اس مادی دور میں بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور ہزاروں نوجوان اس وقت بھی علم دین حاصل کر رہے ہیں اور مستقبل میں وہ عالم دین کہلائیں گے۔ مگر علمائے دین کی اکثریت تک تبلیغ دین کے اہم کام کی طرف کماحقہ متوجہ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ داعی کے مقام پر فائز ہو کر خلق اور خالق کی محبت اور نصرت سے محروم ہیں۔ اور عام انسانوں کی طرح مسئلہ معاش کو حل کرنے میں سرگرداں اور پریشاں ہیں مسئلہ معاش کی اہمیت سے انکار نہیں مگر اس دور میں علم دین کو ذریعہ معاش سمجھنا اور اسے اپنی زندگی کا معیار بلند کرنے کی غرض سے حاصل کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اس علم میں مسئلہ معاش کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی ہے۔

علم دین کا اصل مقصد قرآن سنت اور اسلاف کے عمل سے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ امت میں ایک گروہ "تفقہ فی الدین" او علم دین حاصل کرکے عوام تک انھیں پہونچانے کا فریضہ انجام دے۔ اولین مقصد یہ

اب اس مقصد و مشن کو خوش اسلوبی، حکمت و دانش اور اخلاص سے پورا کرنے کے نتیجہ میں ان کے لئے ہر مقام پر ایک میدان مل جائے گا اور عوام کی ایک بڑی تعداد کو یہ اپنی خدمات سے متاثر کریں گے۔ ان بے لوث خدمات کے ساتھ ان کے معاش کا مسئلہ بھی لاینحل نہیں رہتا ہے اور وہ بقدر ضرورت روزی باعزت طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی نظیریں اور مثالیں اس دور میں بھی ملتی ہیں کہ کسی خدا کے بندے نے کسی علاقہ میں دین کی دعوت و تبلیغ کو اپنا مطمح نظر بنایا اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اور عظمت ڈالدی اور قوم نے از خود اس کے مسئلہ معاش کو حل کر دیا۔ اور اگر قوم متوجہ نہیں ہوتی تو بھی داعیانہ جذبات اور کسی بلند مقصد و نصب العین کے حصول کو لے کر ایسا شخص کبھی بھی معاش کی اس طرح کی پریشانیوں میں مبتلا نہیں ہوتا جس کی مثالیں ہمیں آئے دن ہمارے معاشرے میں ملتی ہیں۔

اس ضمن میں ایک چیز کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ دعوت دین اور تبلیغ کے لئے کسی جماعت سے وابستگی ضروری ہے یا ایک عالم دین اپنے علم و فہم اور بصیرت کی بنیاد پر انفرادی طور پر کام کرے؟

جہاں تک انفرادی طور پر خدمت دین کا تعلق ہے اس میں جس صلاحیت، بصیرت، اور فہم و استعداد کی ضرورت ہے وہ ہر ایک کو حاصل نہیں۔

دوسری چیز یہ کہ انفرادی طور پر دعوت کا کام کرنے میں آدمی کی لغزشوں کا بھی خاصا اندیشہ ہوتا ہے۔ انفرادی طور پر دعوت انتہائی موثر اشخاص ہی کے ذریعہ کامیاب ہو سکتی ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ اپنے مزاج اور مذاق کے مطابق کسی صحیح العقیدہ تحریک ہی کے طریقۂ کار کو اپنا کر کام کیا جائے اس میں خیر و برکت بھی ہوتی ہے اور اچھے تجربہ کار مشیر و رہنما بھی مل سکتے ہیں۔ اور پھر حدیث میں صاف صاف یہ آیا ہے۔

یدُ اللہ علی الجماعۃ

(اللہ تعالیٰ کی تائید جماعت کے ساتھ ہوتی ہے)

اس دور میں بعض مخلص تحریکیں دین کی دعوت کا

— اسلام کا پیغام یہ وہ تنہا پیغام ہے جس سے ایک ملک کی نہیں بلکہ سارے عالم کی شب تاریک سحر ہو سکتی ہے۔

عالم کی عشا ہو جس سے اشراق
مومن کی اذاں ندائے آفاق

ایک مرتبہ، اسی "اذان سحر" سے اس دنیا کی قسمت جاگی تھی اور اب بھی اس کے بغیر جہاں کہیں کچھ روشنی نظر آتی ہے وہ "مکر چاندنی" ہے صبح صادق نہیں

(نقشان سراج ص ۱۵)

کام کر رہی ہیں۔ ان سے وابستگی یا ہمدردی ضروری ہے اس پرفتن دور میں علماء کو تعاون علی الخیر اور باہمی اعتماد و محبت کی اسپرٹ اپنے اندر پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے — اگر کسی ایک تحریک سے سو فیصدی تعلق اور کلی طور پر اس کے طریقۂ کار کی پابندی ناممکن اور مشکل ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف مزاج و مذاق کے افراد کے سامنے دعوت دین کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو ان کو زیادہ سے زیادہ دین کے قریب کر دے۔ اگر کوئی عامی شخص ہو تو اس کے لئے یہ کافی ہے کہ دین کے بنیادی عقائد اور اعمال و عبادات کی عظمت اور اس کے کرنے پر اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور نہ کرنے پر اس کے وعیدوں کا ذکر دل نشیں اور موثر انداز میں اس کے سامنے اسی کے فہم کے مطابق کیا جائے — جو شخص علمی ذوق رکھتا ہو، دنیا کے مختلف نظریات سے واقف اور ہر چیز کو تقابلی مطالعہ کے بعد ترجیح دینے کی اسے عادت ہو تو اس کے سامنے صالح لٹریچر کو بھی پیش کیا جانا چاہیئے علمائے کرام اور مبلغین حضرات کو دعوت دین کے سلسلہ میں اس قدر وسیع القلب ہونا چاہیئے کہ ہر وہ چیز جو دین کی تقویت و اشاعت کا ذریعہ ہو اُسے بلا کسی تکلف و تردد اور عصبیت کے اپنانے میں گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے اہم مقصد کی خاطر حضورؐ نے بھی بعض وہ چیزیں اختیار کیں جو ان کے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بظاہر نامناسب معلوم ہوتی تھیں۔ مثلاً "رکانہ" نے جب کہا کہ اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں گے تو میں اسلام قبول کروں گا۔ اللہ کے اس برگزیدہ بندے نے جس کا مقام بلا ریب و شک اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے افضل و برتر ہے دین کی خاطر رکانہ پہلوان کی اس شرط کو بھی قبول کر لیا اور اس سے کشتی لڑ کر اسے پچھاڑ دیا۔ اس ایک واقعہ سے صاف طور پر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعوت دین اور اشاعت اسلام کی غرض سے کسی خود ساختہ طریقۂ کار کا پابند ہونا ضروری نہیں بلکہ حدود شرعیہ میں رہ کر مخاطب کو جس طرح بھی اسلام سے متاثر کرنا ممکن ہو اُسے اختیار کرنا چاہیئے انسانی طبائع مختلف ہوتے ہیں اور انسانی نفسیات گوناگوں — علمائے دین اور مبلغین اسلام کو عوام و خواص کا مزاج شناس اور ان کی نفسیات سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اگر اس طریقۂ کار کو اپنا کر اہل علم دعوت دین کا کام کریں گے تو انھیں ہر جگہ لوگوں کے دلوں میں کشادگی، اس زمین میں وسعت و گنجائش اور اپنے علاقہ میں محبوبیت و مقبولیت اور کامیابی حاصل ہوگی، اور آخرت میں جو اجر ہوگا اس کی تو کوئی حد حساب نہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کے داعی کی تعریف ان بلیغ الفاظ میں فرماتے ہیں:

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین۔

(اور اس سے زیادہ بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی (دین کی) دعوت دے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو دعوت دین کی اہمیت اور اس پر اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "اے علی اگر تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے تو یہ بات دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے زیادہ قیمتی ہے"

ہمارا اس پر ایمان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، پھر آپ کے ذریعہ جو دین آیا ہے وہ اپنی تکمیلی شکل میں آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا اعلان فرما دیا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

(آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے)

قیامت تک نسل انسانی کی رہنمائی کے لئے آئے ہوئے اس دین کے پیروؤں کی دعوت میں کوتاہی سے خود ان کا ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے انسانیت کا خسارہ ہے۔ اپنی کوتاہی کے مقابلے میں غیروں کی مستعدی دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی — اخبار بیں طبقہ سے یہ خبریں پوشیدہ نہیں ہوں گی کہ عیسائی مبلغین اور ان کی تبلیغی مشنریاں عیسائیت کی دعوت میں کتنی پریشانی اٹھاتی ہیں، افریقہ کے بعض قبائل تک عیسائیت کی تبلیغ مشنریوں نے اس طرح کی کہ برسوں ان جنگلی قبیلوں میں رہ کر ان کی زبان سیکھی پھر اس زبان کی گرامر تیار کی اور اسے لکھنے پڑھنے کی زبان بنایا اور ان قبیلوں کو عیسائیت کا حلقہ بگوش کیا۔ ان ضوح ادیان کے مبلغین کی ان سرگرمیوں کو دیکھ کر اور ان کے کارنامے پڑھ کر حسرت سے اقبال کا یہ مصرعہ یاد آتا ہے ؎

"لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیلؑ"

دعوت دین کی راہ میں مشکلات اور مصائب سے بھی ابتداً دوچار ہونا پڑتا ہے مگر یہ چند روزہ پریشانی بے مقصد زندگی گزارنے والوں کی مہد سے لیکر لحد تک کی پریشانیوں کے مقابلہ میں کہیں کم اور حقیر ہے۔ مولانا آزاد مرحوم نے غالباً کہیں لکھا ہے کہ زندگی ایک عظیم بوجھ ہے اس بوجھ سے سبک سری کی ایک ہی ترکیب ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنی زندگی کا کوئی بلند اور عظیم مقصد و نصب العین متعین کرکے اس تک رسائی کی جدوجہد میں لگ جائے" ہر مسلمان کے مقصد کا تعین تو ہو چکا اور وہ یہ کہ رضائے الٰہی اور دین کے غلبہ کی ہمہ تن کوشش اور جدوجہد کرے۔ حالات چاہے جتنے ناسازگار ہوں اور ماحول چاہے جتنا ہمت شکن ہو۔ اس کوشش میں فرق نہیں آنا چاہیئے ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

اس عزم کے ساتھ مومن ہر جگہ کام کر سکتا ہے، جاپان ہو یا امریکہ، مشرق بعید کا کوئی دور افتادہ مقام ہو یا افریقہ کا کوئی صحرا، کوئی عظیم الشان شہر ہو یا کوئی کورده دیہات ؎

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

اہل علم کو اس مقصد کو سامنے رکھ کر کسی دیہات میں قیام کرنا پڑے یا کسی مسجد کی امامت تک اختیار کرنا پڑے تو اس سے کوئی عار یا شرم یا بددلی مترشح نہیں ہونی چاہیئے

ایک اہم بات یہ ہے کہ تبلیغ دین کی جدوجہد میں داعی کو نتائج سامنے رکھ کر کام نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی داعی یہ سوچے کہ اس کی دعوت کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں؟ تو وہ کبھی بھی نشاط سے کام نہیں کر سکتا انبیائی دعوت کا مزاج یہ ہرگز نہیں کہ اس میں نتائج کے ظہور پر ہی کام کیا جائے — کوشش ہمارا کام ہے کامیابی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے: السعی منی والاتمام من اللہ — البتہ آخرت کے اجر و ثواب کی امید کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں بھی داعی دعوت کے ذریعہ اپنے ارد گرد ایک حصار بنا لیتا ہے ایسا حصار جس میں شر کے داخل ہونے کے امکانات کم سے کم رہ جاتے ہیں۔ تبلیغ کا اتنا بڑا فائدہ ہے کہ جس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں آج کی دنیا کے خدا بیزار ماحول کا تجربہ ہے۔

" آپ کا اس پر عقیدہ ہو کہ اس طوفان نوح میں سفینۂ نوح صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور امامت ہے، آپ یقین کرتے ہوں کہ افراد اور اقوام کی سرفرازی اور سربلندی کی شرط صرف رسول اللہؐ کا اتباع ہے اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سرا است
کسیکہ خاک درش نیست خاک برسر او

...... آپ اعتقادی، ذہنی، فکری، قلبی، ذوقی اور عملی حیثیت سے نبوت محمدی کی جامعیت اور ابدیت کے قائل اور اس کے داعی ہیں"

(طالبان علوم نبوت کا مقام)

(باقی ص ۶ پر)

یورپ کی یخ بستہ سطح میں اگر کوئی تموج پیدا کرسکتا ہے تو وہ صاحب دل، صاحبِ یقین داعی ہے!

یہاں ہزارہا بے چین طبیعتیں اور پیاسے دل ہیں لیکن اُن کی تسکین کا کوئی سامان نہیں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دورۂ یورپ کے تاثرات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء اسلامک سنٹر جنیوا کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کے لئے سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے ہیں، جلسہ میں شرکت کے بعد مولانا دس روز لندن ٹھہرتے ہوئے جرمنی، ترکی اور شام بھی جائیں گے، ہم ذیل میں مولانا کا ایک خط شائع کر رہے ہیں جو انھوں نے لندن سے مولانا معین اللہ صاحب ندوی کو لکھا ہے، مولانا محمد رابع صاحب ندوی کا بھی ایک خط شامل اشاعت ہے جس میں انھوں نے اپنے تاثرات و مشاہدات بیان کئے ہیں۔

لندن ۱۰ اکتوبر

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ آپ مع رفقاء و متعلقین بخیریت ہوں گے۔

آپ کا ایک خط غالباً جنیوا میں دوسرا لندن میں ملا۔ جو جنیوا سے بھیجا گیا تھا۔ ہمارا کسی قدر مفصل خط جو آپ اور مولوی ابو العرفان صاحب و مولوی مرتضیٰ صاحب کے نام مشترک تھا پہونچ گیا ہوگا۔ ۱۱ اکتوبر کو ہم لندن پہونچے۔ متعدد احباب AIR TERMINAL پر موجود تھے۔ لندن کے ایک عزیز طالب علم مرتضیٰ صاحب ایرپورٹ ہی پر پہونچ گئے تھے، ان کو دیکھ کر بہت اطمینان ہوا۔ ہم نے لندن میں سید صاحب کو اطلاع کردی تھی ان کے ذریعہ دوسرے احباب کو اطلاع ہوگئی۔ ابتداً سید منور حسین صاحب کے یہاں قیام تجویز کیا گیا تھا کوشش تھی کہ کسی زیادہ مرکزی مقام پر منتقل ہو جائیں مگر اس میں کامیابی نہیں ہو سکی اور اس میں بھی خدا کی حکمت تھی کہ سید صاحب کے یہاں جو سہولت، یگانگت اور راحت میسر ہے وہ دوسری جگہ مشکل تھی۔ بالکل گھر کی سی بات ہوگئی ہے۔ سید صاحب ہر وقت ہر طرح کا آرام پہونچانے اور ایک مشفق بزرگ خاندان کی طرح حسب مرضی سامان مہیا کرنے کی فکر میں رہا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ مرتضیٰ صاحب چوبیس گھنٹے ساتھ رہتے ہیں، مسرور صاحب بھی برابر آتے جاتے رہتے ہیں۔ قطعاً کوئی اجنبیت یا زحمت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ سید صاحب سے کچھ کرائے وغیرہ کے متعلق عرض کیا گیا تھا تو جواب میں فرمایا کہ اس سب کا معاوضہ یہی ہے کہ آپ ہر سال آتے رہیں، مسلم ہوسٹل اسکیم کے متعلق بھی طویل گفتگو رہی وہ اس تحریک کے لئے نہایت موزوں آدمی ہیں ان کے ۵-۶ مکانات ہیں جن میں کرایہ پر لوگ رہتے ہیں، انھوں نے اس خیال کو قبول کرلیا ہے خدا کرے جلد عمل میں آئے۔ لندن کا قیام پہلے بھی کارآمد معلوم ہوا تھا اور اب بھی اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں جتنا وقت صرف کیا جائے مفید اور نتیجہ خیز ہے۔ آج اسلامک کلچرل سنٹر میں دو پروگرام ہیں، ایک عرب طلبہ سے ملاقات اور گفتگو دوسرے عام جلسہ سے خطاب جس کا عنوان ہوگا "مسلمان اعلیٰ تعلیم یافتہ اپنے ممالک میں واپس جا کر کیا کرسکتے ہیں" کل U.K. MISSION کی طرف سے بھی ایک مجلس کا انتظام ہے۔ لندن صرف ۸ یوم قیام کا پروگرام تھا۔

مگر بعض ضرورتوں سے دو روز کا مزید اضافہ کردیا ہے اگر خدا کو منظور ہے تو ۲۱ اکتوبر کو جرمنی روانگی ہے۔ ایک دن "آخن" قیام ہے جہاں عرب طلبہ کی بہت بڑی تعداد ہے اور ان کا بہترین مجموعہ وہاں جمع ہوگیا ہے۔ ایک مسجد و مرکز کی بھی وہ بنیاد ڈال رہے ہیں، پھر دو روز برلن قیام رہے گا وہاں سے MUNICH ایک روز ٹھہر کر اور وہاں ایک اجتماع میں شرکت کے بعد انشاء اللہ استنبول روانگی ہے۔

جہاں پہلے سے اطلاع پہونچ گئی ہے اور ترک نوجوان اور طلبہ اجتماعات کی تیاری کر رہے ہیں۔ ایک افسوسناک بات یہ ہے کہ باوجود کوشش اور سفارش کے راقم سطور کے پاسپورٹ میں ترکی کا اندراج ENDORSEMENT نہیں ہو سکا ہے اس بنیاد پر کہ لکھنؤ میں جن ملکوں کا اندراج کیا گیا تھا ان کے آگے (ONLY) لکھ دیا ہے۔ اس لئے لکھنؤ ہی سے پوچھنا پڑے گا جس میں دو ہفتہ لگ جائیں گے۔ بڑی مشکل سے شام (SYRIA) کی اجازت ملی۔ استنبول اطلاع اور آدمی پہونچ جانے کی وجہ سے اب وہاں کا پروگرام منسوخ نہیں ہو سکتا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو رابع یہ وقت جرمنی میں کہیں گزاریں گے یا استنبول ایرپورٹ پر بیٹھے رہنا پڑے گا، جو نہایت تکلیف دہ اور غیر معقول صورت ہے۔ سردی یہاں بہت ہے بغیر (HEATER) کے دن میں بھی رہنا مشکل ہوتا ہے۔ دھوپ کا نکلنا یہاں ہمیشہ نعمت معلوم ہوتا ہے لیکن آجکل خاص طور پر، دراصل یہاں آنے میں تاخیر کی، اچھا زمانہ جولائی اگست کا تھا۔ یہاں کے اکثر مقامات ہم دیکھ چکے ہیں اور طبیعت میں افسردگی بھی بڑھتی جارہی ہے، اس لئے ہمارا زیادہ تر وقت قیام گاہ پر گذرتا ہے اور وہی وقت غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ دو ہی دن میں یہاں کے مسلسل شور اور تیز رفتاری سے طبیعت اکتا گئی اور اپنا رائے بریلی کا گوشۂ عافیت یاد آتا ہے لیکن کبھی یہاں کام کے وسیع میدان کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ کہیں ایرانی عارف کا یہ شعر حسب حال نہ ہو۔

زاہد نہ داشت تاب جمال پری رخاں

کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

کام کرنے والوں کے لئے یہاں بڑا میدان ہے مسلمان نوجوانوں میں حد درجہ سعید روحیں، اور ہندو پاکستانیوں میں ہزارہا بے چین طبیعتیں اور پیاسے دل ہیں لیکن ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

باقی اہل ملک کا حال وہی ہے جو ہم نے اپنے پچھلے خطوط میں لکھا تھا کہ زندگی کے معیار کی بلندی اس کے مطالبات اور زندگی کی تیز رفتاری کچھ سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہیں دیتی اگر یہاں اس یخ بستہ سطح میں کوئی تموج پیدا کرسکتا ہے تو صرف اہل دل نہایت قوی النسبت صوفی اور قلندر منش صاحب یقین داعی مگر وہ بھی بقول شخصے خود اسلامی ممالک میں عنقا ہوتے جارہے ہیں۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی اور زیادہ تر زبانی ہوں گی اب ذرا وہ تین باتیں جو آپ کی دلچسپی کی ہیں اور بے سن لیجئے۔

آپ کے قاسم صاحب سے متعلق خیال تھا کہ بیروت میں ہوں گے وہ گذشتہ سال ہی نقل سکونت کر رہے تھے اور کر بھی دی تھی اس لئے ان کی طرف کچھ زیادہ خیال نہیں گیا۔ اتفاقاً ایک صاحب سے ذکر کیا انھوں نے اسی وقت ٹیلی فون کیا موجود تھے۔ اطلاع نہ دینے اور ان کے یہاں نہ ٹھہرنے پر سخت احتجاج کیا۔ اگلے دن آئے اس دن بھی کھانے پر مدعو کیا اور کہا کہ روزانہ کھانا یہیں سے جایا کرے گا۔ ان کو اسی دن دو تین دن کے لئے لندن سے باہر جانا تھا، کئی گھنٹے ساتھ صرف کیا اور گھر میں ہدایت دے گئے۔ آپ کو بہت پوچھتے تھے اور بہت تعلق خاطر کا اظہار کرتے تھے۔

دوسری دلچسپ بات سنئے کہ کل ایسٹ لندن مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے گئے جس صف میں بیٹھے تھے اس کے سامنے ہی اگلی صف میں ایک صاحب بیٹھے تھے جن کی پشت ہماری طرف تھی جسامت اور لباس بالکل سید محمود حافظ صاحب کا شبہ تو ہوا لیکن کوئی قرینہ نہ تھا۔ عقل نے انکار کیا۔ نماز کے بعد تقریر شروع ہوگئی اور ذہن اس میں مشغول ہوگیا۔ نماز کے بعد وہ صاحب آگے بڑھ کر ملے تو معلوم ہوا کہ حافظ سید محمود صاحب ہی ہیں۔ دونوں کو بڑی خوشی ہوئی، کہنے لگے کہ ایک ہوٹل میں کھانا کھانے گیا تھا وہاں انگریزی کے ایک اشتہار پر نظر پڑی اس میں آپ کا نام تھا۔ ایک صاحب سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ آئے ہوئے ہیں اور جمعہ کی نماز یہیں پڑھیں گے، میں بہت دور ٹھہرا ہوں لیکن یہاں اسی ارادہ سے آیا۔ معلوم ہوا کہ پریس کی نئی مشینری خریدنے کے لئے حکومت کی طرف سے بھیجے گئے ہیں، ان کا یہ پہلا سفر تھا اس لئے بڑی اجنبیت محسوس کرتے تھے اور بڑے متوحش تھے چنانچہ نماز جمعہ کے بعد سے رات کے دس بجے تک ساتھ ہی رہے اور غالباً اکثر وقت ان کا ساتھ ہی گزرے گا کسی بڑے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں جو یہاں سے بڑے فاصلہ پر ہے ان کی وجہ سے وقت بڑے لطف سے گذرتا ہے، ان کی یہ عجیب خاصیت ہے کہ اکثر جگہ خلاف قیاس اور بلا اطلاع مل جاتے ہیں۔

ابھی تک رائے بریلی سے کوئی خط نہیں آیا۔ صرف آپ کے اور محمد ثانی[1] کے خط سے خیریت کی اجمالی اطلاع ملی۔ لیکن ادھر آپ کا خط بھی کئی روز سے نہیں آیا۔ آپ کو لندن کا پتہ اس لئے لکھ دیا تھا کہ آپ جلد خط لکھیں اور سب کی خیریت مل جائے غالباً آپ کے گھر کے لوگ وطن جاچکے ہوں گے۔ مولوی نثار الحق اور مولوی اجتبا صاحب کا بھی خط آیا ان کو تار دیجئے گا اور دونوں سے سلام کہہ دیجئے گا۔ مولوی ابو العرفان صاحب اور مولوی مرتضیٰ صاحب، مولانا اسحاق صاحب اور مولانا اویس صاحب اور سب کو سلام۔ محمد ثانی اور محمد میاں امید ہے دہلی سے آگئے ہوں گے یہ خط ان کو اور ڈاکٹر اشتیاق صاحب کو بھی دکھا دیجئے گا۔ اس خط کے پہونچنے کے بعد شاید آپ لوگوں کا کوئی خط اب نہ مل سکے گا۔ کاش یہاں سے روانگی سے پہلے وہ ایک مفصل خط آجائے۔

امید ہے کہ مولانا اسحاق صاحب نے مجلس کا کام شروع کردیا ہوگا۔ یہاں ایک فاضل جو حیدرآباد میں کمرشل لا کے استاد تھے اور آج کل حکومت سعودیہ کے بینک کے مستشار قانونی ہیں (INSURANCE IN ISLAM) کے موضوع پر تحقیق کرنے آئے ہیں۔ اچھے مسلمان آدمی ہیں اکثر تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ ہمارے یہاں کے تحقیقات کے نتیجے کے منتظر ہیں اور استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ مجلس کے کام کی یہاں بڑی اہمیت محسوس ہوتی ہے۔ خدا کرے جلد کام ہو اور لوگوں کو رہنمائی ملے مولوی اسحاق خاں (جلیس) امید ہے اپنے کاموں میں سرگرم ہوں گے۔ یہاں ہمارے اسلامی لٹریچر کی بڑی مانگ ہے اور اس کا بڑا میدان۔ اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش یہاں کے لئے بڑی موزوں تھی، افسوس کہ اس کا ایک نسخہ بھی ساتھ نہیں بعد میں بھیجنے کی ضرورت ہوگی۔ آصف صاحب سے انگریزی ترجمہ کو جلد مکمل کرنے کی درخواست کی جائے۔ یہ خط بھی ان کو دکھا دیا جائے، مولانا منظور صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام۔

دعا گو

ابوالحسن علی

برادر معظم[2]!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

امید ہے کہ آپ اور تمام متعلقین... بخیر و عافیت ہوں گے الحمد للہ ماموں جی اور ہم بھی بخیر و صحت ہیں دہلی سے جمعہ کے روز روانہ ہو کر ۱۲ بجے ہوتے ہوئے مغرب کے وقت کراچی پہونچے اور وہاں سے صبح ۶ بجے جنیوا کے لئے جہاز ملا۔ جس نے ۱۰/۱۲ گھنٹے میں تہران اور بیروت پون پون گھنٹے ٹھہرتے ہوئے سوئٹزرلینڈ کے مقامی وقت کے حساب سے ۲ بجے دن میں جنیوا پہونچا دیا۔ یہ مقامی وقت کراچی کے وقت سے چار گھنٹے اور ہندوستانی وقت سے ۴/۱۲ گھنٹے کا فرق رکھتا ہے گویا کہ اس وقت ہندوستان میں شام کے ۶/۱۲ بجے ہوں گے۔ ظہر کی نماز ہم لوگوں نے جنیوا پہونچ کر وقت پر پڑھی۔ کراچی سے مولانا ظفر احمد میاں انصاری صاحب کا ساتھ ہوگیا تھا وہ بھی مرکز کے رکن اور مدعو تھے مرکز پہونچ کر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی ان سے ہماری یہ پہلی ملاقات تھی، ان کے متعلق ہمارے ذہن نے جو نقشہ متعین کر رکھا تھا وہ اس سے مختلف نکلے ان کے زہد اور دینداری کے حالات تو پہلے ہی سے معلوم تھے۔ دیکھنا باقی تھا ــــ خیال تھا کہ یورپ میں رہنے والے شخص کے صفات ضرور پائے جاتے ہوں گے لیکن ان کو دیکھا تو ہندوستانی اور دیندار مسلمان چہرے کے ساتھ دبلے پتلے معمولی جسم و جثہ کے، متواضع اور طالب علمانہ ادا رکھنے والے، متوازن اور عالمانہ فکر و فہم کے مالک، بہرحال ان سے ملاقات بھی اسی سفر کے فوائد میں سے ہے۔ مشرق وسطی کے ممالک میں مثقف و تعلیم یافتہ طبقہ اس قدر یورپ کی زندگی اختیار کرچکا ہے کہ اس میں یورپ کو اچھی طرح دیکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ تہران اور بیروت کے ہوائی مستقروں پر کوئی بات بھی مشرقیت کی نظر نہیں آئی، سوائے اس کے کہ وہ لاؤڈ اسپیکر پر اعلانات ملکی زبان میں بھی کرتے تھے اور مقامی لوگوں کے صرف چہروں مہروں سے ان کی مشرقیت ظاہر ہوتی تھی۔ بیروت سے روانہ ہوتے ہی یورپ کی تبدیلیات شروع ہوگئیں پہلے تو ہوائی نشرگاہ نے اعلان کیا کہ آپ کے دائیں جانب قبرص کا جنوبی ساحل ہے۔ یہ ساحل جہاز کی کھڑکی سے دس منٹ تک برابر نظر آتا رہا حتی کہ تقریباً ۱۰ منٹ میں وہ ختم ہوا، جہاز کی بلندی کی وجہ سے سوائے زمین کے خاکے کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی لیکن یہ تصور کہ ہم

(باقی ص ۱۰ پر)

[1] مولانا محمد ثانی حسنی "ایڈیٹر رضوان"

[2] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شہر خموشاں میں چند لمحے

حبیب الرحمن ندوی

آبادی سے دور لب دریا نیم کے چھوٹے سے درخت کے پاس ننھے احمد سعید کی ابدی قیام گاہ ہے، یہاں نہ پھول ہے نہ چراغ۔ قبر کا نشان، صرف ایک گڑھا ہے جس میں گھاس کے چند خودرو پودوں کے سوا کچھ نہیں۔ ہاں آس پاس شکستہ حال قبریں اپنے مکینوں کی بے بسی کی داستانیں سنا رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ یہاں دولت واقتدار کا سارا پندار کس طرح سرنگوں ہوتا ہے۔

اوپر کی یہ دنیا جس میں ہم اور آپ رہتے ہیں، اگرچہ اپنے کچھ مخصوص مسائل رکھتی ہے لیکن شہر خموشاں کی زیر زمین بستی سے اس کا سلسلہ منقطع نہیں، قبروں کے یہ نشانات گویا دو دنیاؤں کے سنگم ہیں، جہاں آنے کے لئے ہر شخص مجبور ہے، کوئی طاقت ایسی نہیں جو مجبوری کی ان غیر مرئی زنجیروں کو توڑ سکے اور ایک نئی اور ان دیکھی دنیا کے حدود میں داخلہ کے خلاف بغاوت کر سکے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آ کر عقل سر بگریباں ہو جاتی ہے اور سائنس متحیر و ششدر۔

ان ٹوٹے ہوئے مقبروں اور شکستہ مزارات نے ہزاروں داستانوں کو سمیٹ کر لبوں پر مہر خاموشی لگائی ہے، یہاں ایک ہُو کا عالم ہے۔ ایک پُراسرار سکوت، ایک گہری خاموشی جیسے قبریں منہ پھاڑے زندہ انسانوں کا انتظار کر رہی ہوں، مجھے یہ ہولناک منظر دیکھ کر طبرانی کی وہ روایت یاد آ رہی ہے جس میں کہا گیا ہے۔

ما یاتی علی هذا القبر یوم الا وهو ینادی بصوت ذلق طلق یا ابن آدم نسیتنی الم تعلم انی بیت الوحدة و بیت الغربة و بیت الوحشة، وبیت الدود و بیت الضیق الا من وسعنی الله

قبروں پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ صاف فصیح اور بلند آواز میں یہ نہ کہتی ہوں کہ انسانوں کیا تم ہمیں بھول گئے کیا نہیں جانتے کہ ہم تنہائی کا گھر ہیں انجان جگہ ہیں، دہشت اور وحشت ناکی کا مکان ہیں کیڑوں اور سانپ بچھوؤں کا گھر ہیں، ہم تنگ و تاریک جگہ ہیں۔ بجز ان لوگوں کے جن کے لئے اللہ نے ہمیں کشادہ کر دیا ہے

الحفظتہ اللہ۔ یہ ہے ان قبروں کی آواز جو زبان حال سے یہ سنا رہی ہیں۔ شاید اپنے مادی کانوں سے ہم یہ آواز سنتے تو مردوں کی تدفین کے لئے بھی، یہاں آنے کی جرأت نہ ہوتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر حاضر ہونے کا حکم دیا ہے مگر اس لئے نہیں کہ ہم مردوں پر آنسو بہائیں بلکہ اس لئے کہ ان کی عبرتناک تصویر کو دیکھ کر خود بھی عبرت حاصل کریں اور زندگی کے اس آخری سفر کے لئے کچھ سامان تیار کریں، کنز العمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ نقل کیا گیا ہے:

یا ایها الناس کان الموت علی غیرنا فیها کتب وکان الحق علی غیرنا وجب وکان الذی نشیع من الاموات سفر عما قلیل الینا راجعون ونأویهم اجداثهم ونأکل تراثهم کانا مخلدون۔ قد نسینا کل واعظة وامنا کل جائحة طوبی لمن شغل عیبه عن عیوب الناس طوبی لمن طاب کسبه وصلحت سریرته وحسنت علانیته، واستقامت طریقته۔ طوبی لمن تواضع الله من غیر منقصة ۔ وانفق ما لا جمعه فی غیر معصیة، وخالط اهل الفقه والحکمة ورحم اهل الذل والمسکنة طوبی لمن انفق الفضل من ماله وامسك الفضل من قوله ووسعته السنة ولم یعد عنها الی البدعة

لوگو! ہماری یہ حالت ہے گویا اس دنیا میں اور تو مرنے والے ہیں ہم پر موت نہیں، نہ ہم پر کوئی حق ہے، جتنے حقوق ہیں وہ اوروں پر ہیں جنھیں ہم اپنے کندھوں پر چڑھا کر لاتے ہیں، یوں سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے کسی سفر کو گئے ہیں اور بہت جلد آنے والے ہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ بس ان کے جسموں کو دفنا دیں اور ان کا ترکہ کھا لیں گویا ہمیں یہ دنیا چھوڑنی ہی نہیں ہم نصیحت کی تمام باتوں کو بھلا بیٹھے اور اپنے تئیں تمام آفتوں سے محفوظ ہیں۔ دیکھو خوشخبری اس کے لئے ہے جو اپنی اصلاح میں لگ جائے اور لوگوں کی عیب جوئی سے الگ رہے۔ خوش نصیب ہے وہ جس کی کمائی حلال ہو جس کی اندرونی حالت بہتر ہو، جسکا ظاہر بھی تقوے سے آراستہ ہو، جو سیدھے طریقہ پر جما ہوا ہو خوش نصیب ہے وہ جو اللہ کا حکم سمجھ کر فروتنی اور عاجزی اختیار کرے جو اس کے لئے نقصان رساں نہیں، مال حلال راہ میں میں خرچ کرے نہ کہ برائیوں میں، علماء اور فقہاء سے میل جول رکھے اور گرے پڑے مسکینوں پر خرچ کرے اور بیہودہ بے فائدہ باتوں سے احتراز کرے اپنی زبان کو روکے، سنت کے دائرے میں رہے اور بدعت میں قدم نہ رکھے۔

ہو سکتا ہے کسی قسی القلب پر یہ الفاظ کچھ اثر نہ کریں لیکن یہاں شہر خموشاں میں تو ان الفاظ کے تصور سے ہی دل کی دنیا زیر و زبر ہو رہی ہے، اپنی زندگی کا محاسبہ سامنے آتا ہے تو اور بھی دل تھرانے لگتا ہے، محاسن کا کچھ ذخیرہ نہیں، سوائے معائب اور قبائح کے جو ہر لحہ تباہی کی طرف کھینچے لئے جاتے ہیں۔ پھر ان بوسیدہ قبروں کی لمبی قطار پر نظر جاتی ہے تو تصور کی آنکھیں ان میں کتنے جوان رعنا اور سرمست شباب کو کسمپرسی کے عالم میں پڑا ہوا دیکھتی ہیں پھول سے نازک اور معصوم بچوں کے خاک آلود جسموں کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر انھیں کے ساتھ انکے والدین کی یاد آتی ہے جنھوں نے ان شگفتہ غنچوں کو اپنے سینوں سے جدا کر کے اس ویرانہ میں منوں مٹی کے تودوں میں دبا دیا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں یہ نہ کہوں کہ ان تمام غمناک تصورات کے پس منظر میں امید کی ایک روشنی بھی نظر آ رہی ہے جو رنج والم کے اس ظلمت کدہ کو اپنی بے پناہ تابندگی سے منور کر رہی ہے۔ ایک عجیب قسم کی ٹھنڈک، تازگی اور خنکی محسوس ہو رہی ہے، وہ دیکھئے دل بریاں اور چشم گریاں کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نظر آیا۔ تسکین و تسلی کی خوشگوار ہوا چلنے لگی، اور غم واندوہ کے آنسو دامن پاک میں جذب ہونے لگے۔ ایک عجیب وغریب منظر ہے۔ حضور پاک فرما رہے ہیں:۔ "ماں باپ کے لئے فوت شدہ بچے قیامت کے دن نار جہنم سے حجاب بنیں گے" ایک خطاب میں آپ نے اسی مفہوم کو اس انداز میں بیان فرمایا:

تدرون ما الرقوب؟ قالوا الذی لا ولد له فقال الرقوب کل الرقوب الرقوب کل الرقوب ۔ الرقوب کل الرقوب الذی له ولد فمات ولم یقدم منهن شیئا (رواہ احمد)

جانتے ہو بانجھ کون ہے۔ لوگوں نے کہا وہ جس کے اولاد نہ ہو۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں وہ جس کے اولاد تو ہو مگر مرتے دم تک ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے آگے نہ بھیجا ہو

شاید ایک انسان کے لئے دنیا میں سب سے بڑا غم یہی ہے کہ وہ اپنے پھول کی طرح تازہ ہنستے اور کھیلتے ہوئے بچے کو ٹھیک اس کی شگفتگی کے زمانہ میں اپنے ہاتھوں شہر خموشاں کے بھیانک ویرانے میں تنہا چھوڑ کر اپنے گھر کو واپس آئے شاید اس غم کا کسی کے پاس کوئی مداوا نہیں اور اس درد کا دنیا میں

(باقی ص ۱۵ پر)

جس نے دنیا کو ٹھکرایا...!

سعید الرحمن الاعظمی

اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک تخت شاہی پر جلوہ افروز ہیں، تمام اعیان مملکت اور سربراہان حکومت خلیفہ کے دربار میں مودب بیٹھے ہوئے ہیں اور پوری فضا پر ایک رعب چھایا ہوا ہے۔ خلیفۂ وقت حاکمانہ انداز میں اہل کاران حکومت کو مشورے دے رہے ہیں اور لوگ نہایت غور سے بادشاہ کی باتوں کو سن رہے ہیں۔

اتنے میں ایک آہٹ ہوئی، سرگوشیوں کی آہٹ اور اسی کے ساتھ ہی کمال بے تکلفی کے ساتھ ایک شخص دربار میں داخل ہوتا ہوا نظر آیا۔

سیاہ رنگ، پاؤں میں لکڑی کا ایک کھڑاوں نما جوتا، جسم پر ایک پھٹا ہوا جبہ اسر پر چپکی ہوئی ایک ٹوپی اور ہاتھ میں ایک عصا۔

حیرت سے نگاہیں کھلی رہ گئیں، اندر باہر ہر طرف لوگ محو حیرت ہیں کہ آخر یہ کون شخص اس شان بے نیازی کے ساتھ اور ایسی بوسیدہ ہیئت میں دربار میں داخل ہو رہا ہے

"یقیناً کوئی مخبوط الحواس فقیر ہے، جو خلیفہ سے کچھ مانگنے کے لئے حاضر ہو رہا ہے"

ایک طرف سے آواز آئی اور فضا میں پھیل کر رہ گئی۔

خلیفہ دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے مرحبا، اھلاً وسہلاً کا نغمہ پورے دربار میں گونج گیا، داخل ہونے والے شخص نے بے تکلفی کے ساتھ خلیفہ کو جواب دیا —— خلیفہ نے تخت پر بیٹھنے کی درخواست کی اور وہ بیٹھ گئے۔

اپنے زمانے کے مشہور اور بلند مرتبت شیخ عطاء بن ابی رباح نے دربار میں آنا کیوں پسند کیا؟ کیا اس لئے کہ وہ خلیفۂ وقت سے اپنی تنگ دستی کا واسطہ دے کر کچھ عطیہ مانگنے والے ہیں، یا وہ اپنے علم و فضل کا مظاہرہ کر کے خلیفہ سے کوئی عہدہ اور منصب چاہتے ہیں، یا کوئی ایسی جائداد چاہتے ہیں جسے وہ اپنے معاش ذریعہ بنا سکیں۔

ہرگز نہیں! جو شخص دنیا کو ٹھکرا چکا ہو وہ خلیفہ سے مال ومنصب کی درخواست نہیں کر سکتا،

عطاء بن ابی رباح خلیفہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، ہشام بن عبدالملک اعیان مملکت کی موجودگی میں ابن ابی رباح کے سامنے اس طرح مودب ہیں جیسے ایک نیاز مند شاگرد اپنے استاد کے سامنے، دربار میں حیرت ورعب کی فضا ہے، تعجب واستفسار کی ایک ملی جلی کیفیت ہر شخص پر نمایاں ہے۔

کیسے تشریف لانا ہوا؟ نہایت ادب کے ساتھ خلیفہ نے سوال کیا۔

عطاء بن ابی رباح نے کہا: امیرالمومنین آپ کو معلوم ہے کہ اہل حرمین اللہ کے عیال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کی خبرگیری کریں اور ان کا جو حق آپ پر عائد ہوتا ہے اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

غلام کو اشارہ کرتے ہوئے خلیفہ نے کہا کہ اہل مکہ و مدینہ کے لئے ایک سال کا وظیفہ جاری کیا جائے، اور اس نے... حکم کی تعمیل کی،

اس کے علاوہ کوئی اور ضرورت ہو تو فرمائیں؟ خلیفہ نے پھر ابن ابی رباح سے درخواست کی،

ابن ابی رباح نے کہا کہ اہل نجد وحجاز اصل عرب اور اسلام کے اولین قائد ہیں، ان کے صدقات کا بچا ہوا حصہ بھی انھیں میں خرچ کیا جائے۔

خلیفہ نے غلام کو حکم دیا، اور اس نے لکھ لیا۔

اور بھی کوئی حکم ہو تو ارشاد فرمائیں، پھر خلیفہ نے ابن ابی رباح سے عرض کیا۔

"سرحدوں کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں کا حق ہے کہ ان کی پوری کفالت کی جائے اور ان کی ضروریات پوری کی جائیں اس لئے کہ اگر وہ ہلاک ہو گئے تو آپ کی سرحدیں ضائع ہو جائیں گی"

ابن ابی رباح نے خلیفہ کو متنبہ کیا، اور خلیفہ نے فوراً اس کی تدبیر کا حکم دیا،

اس کے سوا کوئی اور حکم ہو تو فرمائیں؟ خلیفہ نے پھر پوچھا

عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ ذمیوں کو تکلیف مالایطاق سے محفوظ رکھا جائے، اور خلیفہ نے اسی وقت فرمان جاری کر دیا کہ ذمیوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہ بنایا جائے،

ہشام بن عبدالملک نے ڈرتے ڈرتے پھر سوال کیا کہ کوئی اور ضرورت ہو تو حکم دیں،

عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ ایک کام اور ہے۔

فرمائیے، خلیفہ نے کہا۔

عطاء بن ابی رباح نے انتہائی دلیری اور جرأت ایمانی کے ساتھ کہنا شروع کیا،

"اپنے بارے میں آپ اللہ سے ڈریئے، اور یاد رکھئے کہ آپ جس طرح تنہا پیدا ہوئے ہیں اسی طرح تنہا موت بھی آئے گی، اور آپ کا حشر بھی تنہا ہوگا اور تنہا ہی حساب و کتاب بھی ہوگا، اور یہ جتنے لوگ بھی اس وقت آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، ان میں کوئی اس وقت آپ کا ساتھ نہ دے گا"

ہشام بن عبدالملک یہ سنکر شدت تاثر سے رونے لگے، اور برابر روتے رہے یہاں تک کہ عطاء بن ابی رباح دربار سے اٹھ کر جانے لگے تو ان کو احساس ہوا اور انھوں نے فوراً اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ غلام یہ عطاء کو دیدو۔

غلام نے دوڑ کر عطاء کو پا لیا اور ان کی طرف تھیلی کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ یہ امیرالمومنین نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

عطاء بن ابی رباح نے نہایت بے نیازی کے ساتھ اس کو لینے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ "میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا بلکہ میں اپنے رب کے اجر کی توقع رکھتا ہوں"

عطاء بن ابی رباح "لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علی الله" کا ورد پڑھتے ہوئے دربار سے بہت دور نکل چکے تھے لیکن ان کا رعب اب بھی دلوں پر اسی طرح طاری تھا، کیونکہ انھوں نے لینے سے انکار کر دیا،

اگر عطاء بن ابی رباح نے اشرفیوں کا ہدیہ قبول کر لیا ہوتا، اگر عطاء نے اشراف نفس کا ثبوت دیا ہوتا تو نہ ان کا رعب دلوں پر بیٹھتا اور نہ خلیفۂ وقت کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوئی ہوتیں،

کس قدر صداقت پر مبنی ہے یہ قول:

"جس نے دنیا کو ٹھکرایا... تو دنیا اس کے قدموں پر گر کر رہی"

آخری قسط

حضرت مجددُ الف ثانیؒ کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ

ڈاکٹر مصطفٰے خاں پی۔ ایچ۔ ڈی ندوہ یونیورسٹی

چنانچہ اگر (ص ۱۴۰) ملک کے بعض مقامات پر چند امرا شریعت سے تعلق رکھتے تھے تو اکبری الحاد کا قلع قمع ہو جانا کیوں کر بعید سمجھا جا سکتا ہے؟۔ حضرت مجددؒ اور حضرت شیخؒ (جو آپس میں پیر بھائی تھے) یہی مناسب سمجھ رہے تھے کہ شیخ فرید اور دیگر ارکان کو شریعت کے احکام کی طرف متوجہ کرایا جائے۔ کیونکہ صحیح کامیابی اسی طرح ممکن تھی۔ اور اسی کے لئے بھی وہ عہد جہانگیر میں بھی برابر کوشاں رہے۔ شیخ عبدالحق محدثؒ کے سلسلے میں فاضل محترم نے بڑی عقیدت ظاہر فرمائی اور ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ حالانکہ حضرت مجددؒ کے حالات بھی (جلالی رنگ کے علاوہ) قریب قریب ویسے ہی تھے لیکن محترم نے انھیں بالکل نہیں بخشا۔ حضرت شیخ کے متعلق محترم کے بیانات ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ "سیکری میں شیخ عبدالحقؒ کا قیام کوئی دس بارہ برس رہا ہوگا" آپ کی علمی قابلیت نے کئی علمائے دربار مثلاً فیضی، مرزا نظام الدین بخشی (مصنف طبقات اکبری) ملا عبدالقادر بدایونی کو مسخر کیا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر سے بھی آپؒ کی ملاقات ہوئی اور شاید فیضی ابوالفضل اور اکبر کی خواہش تھی کہ آپ ان کے ہم خیال ہو جائیں۔ آپ زاد المتقین میں اختتام تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب اللہ کے فضل و کرم سے مجھے علم کا خاصہ حصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے اہل دنیا کی طرف بلایا اور میں بادشاہ وقت اور امرا کے پاس گیا۔ انھوں نے میری طرف بہت توجہ کی اور میرا رتبہ بلند کیا بلکہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعے اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ ضعیف سے اپنی قوت میں اضافہ کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا" یعنی اکبر اور اس کے امرا نے حضرت شیخ کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی اور اللہ نے محفوظ رکھا۔ پھر محترم مصنف نے حاشیے میں یہ بھی لکھا ہے کہ "شیخ کے یکایک سفر حج پر بلا اطلاع روانہ ہونے پر فیضی نے جل بھن کر جو خط لکھا ہے اس کا ایک پُر معنی فقرہ یہ ہے: "خدا نخواستہ ہا شد کہ حق خدمت و نمک صحبت از دو فراموش کنند" (ص ۳۰۰) یعنی ہم خیال بنانے کے لئے فیضی جیسے امرا نے حضرت شیخؒ سے بھی "حق خدمت و نمک صحبت" کی توقع رکھی تھی اور وہ خود تو اسی "نمک حلالی" کو مصلحت اندیشی" سمجھ کر اکبری الحاد میں دوش بدوش سرگرم عمل تھے۔

(شیخ نے دس بارہ سال نمک کھایا اور پھر بھی ہم خیال نہ ہوئے) حضرت شیخ ۹۹۵ھ میں حج کے ارادے سے گجرات پہنچے اور ۹۹۶ھ میں حجاز پہنچ گئے۔ قریب پانچ سال میں حرمین شریف سے واپسی ہوئی۔ فیضی نے پھر دانہ ڈالنے کی کوشش کی اور بڑی عقیدت کا اظہار کیا[1] لیکن شیخ محدثؒ کو پھر اللہ نے محفوظ رکھا۔ فاضل محترم نے حضرت شیخ کی کتاب فہرس التوالیف کی ایک عبارت (ص ۳۱۳) فیضی کے متعلق خود ہی نقل کی ہے: "فیضی اگرچہ در فصاحت و بلاغت متانت و رزانت سخن ممتاز روزگار بود و لیکن حیف کہ بجہت توغل و ہبوط در ہاویۂ کفر و ضلالت رقم انکار دیار بر ناصیۂ احوال خود کشیدہ، زبان اہل دین و ملت جناب نبوت را از بردن نام وے نام جماعت شرم و بے باک است[2]" لیجیے شیخ محدثؒ بھی خواہ مخواہ عبدالقادر بدایونی کی طرح "غلط بیانی کرنے لگے۔ اور حق خدمت و نمک صحبت" کا بالکل خیال نہ رکھا۔

اکبر ۹۹۴ھ سے ۱۰۰۶ھ تک لاہور میں رہا۔ اس سے پہلے وہ آگرہ میں تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (۹۷۱ھ۔ ۱۰۳۴ھ) قریب ۲۰۔۲۲ سال کی عمر میں آگرہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں فیضی اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس کے لئے حضرت علیہ الرحمۃ نے برجستہ ایک بے نقط عبارت رحمت فرمائی۔ وہ تفسیر نظر ثانی کے بعد (بدایونی ص ۴۰۹) ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ ابوالفضل، فیضی بلکہ ان کے باپ ملا مبارک کی وجہ سے دین اور پھر نبوت پر اعتراضات ۹۸۳ھ سے (بدایونی ص ۲۶۴) شروع ہو چکے تھے اور "بے دین مصنفین" نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی"۔ انھیں ایام میں ابوالفضل نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی موجودگی میں حضرت امام غزالی کو "نامعقول"[1] کہا تھا اور آپ بیتاب ہو گئے تھے جلالی حق کا انخلا یا قتل ۹۹۰ھ سے شروع ہو گیا تھا (بدایونی ص ۳۲۹۔ ۳۴۱۔ ۳۶۱) انھیں فتنہائے امرد۔۔۔ (۹۸۶ھ) کا ذکر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے رسالے اثبات النبوۃ کے ابتدائی ۲۔۳ صفحات میں آتا ہے اور ابوالفضل سے نبوت کے سلسلے میں بحث کی وجہ سے اس کا ذکر بار بار اس رسالے میں ہی آیا ہے۔ اس رسالے کے ابتدائی صفحات کا مطالعہ کریں۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے اللہ جو ولی اور مددگار ہے اس کی رحمت کا محتاج احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین (اللہ سبحانہٗ انھیں نامناسب اور عیب دار کرنے والے امور سے محفوظ رکھے) کہتا ہے کہ جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا پھر ایک شخص معین کی نبوت کے ثبوت اور تحقیق میں اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا۔ یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین میں پختہ ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں جنکا ذکر مناسب نہیں۔ بہت سے علمائے اہل اسلام قتل کر دیئے گئے اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کر دی گئی اور جس کا یہ اسم شریف رکھا گیا، اس کے نام کو بدل کر دوسرا نام رکھا گیا، گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ حالانکہ یہ ہندستان میں بڑے شعائر اسلام میں سے ہے۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کر دیئے گئے کفار کی عبادت گاہوں اور ان کے رسوم و عبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔

مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں باطل قرار دی گئیں اور کفار کے رسوم اور ان کے ادیان باطلہ رائج کئے گئے۔ حتیٰ کہ کفار ہند کے احکام ظاہر کئے گئے اور ان کی زبان سے فارسی کی طرف منتقل کیا گیا تاکہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں اور میں نے جان لیا کہ شک اور انکار کا مرض وسیع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ علاج کرنے والے بھی مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں اور مخلوق ہلاکت کے قریب ہو گئی ہے نیز میں نے لوگوں کے افراد کے عقیدے کی تلاش کی اور ان سے ان کے شبہات دریافت کئے اور ان کے رازہائے درون اور عقائد کی کرید کی تو ان کے فتور اعتقاد اور ضعف ایمان کا کوئی سبب عہد نبوت کی دوری، علم فلسفہ کی مشغولیت اور حکمائے ہند کی کتابوں کے سوا کوئی۔۔۔۔۔۔ نہ پایا۔ اور میں نے بعض لوگوں سے مناظرہ کیا جنھوں نے علم فلسفہ پڑھا تھا اور کافروں کی کتابوں سے بہرہ یاب ہو کر فضل و فضیلت کے مدعی ہو گئے تھے اور لوگوں کو گمراہ کیا اور اصل نبوت کے محقق اور ایک خاص شخص کے اس کے ثبوت میں خود بھی گمراہ ہوئے اور یہاں تک کہنے لگے کہ نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت ہے، خلق کے ظاہری حالات کی اصلاح ہے اور عوام کو شہوات میں آزادی، باہمی نزاع اور اختلافات سے محفوظ رکھنا ہے۔

اور اس کو نجات آخرویہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق صرف تہذیب الاخلاق اور قلبی اعمال کے ان فضائل کی تحصیل سے ہے جنھیں حکماء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اس کو کماحقہ بیان کیا ہے پھر اپنے قول کی تائید میں یہ بات پیش کی کہ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور منجیات کی چوتھائی کا قسیم بنایا۔ مثلاً نماز روزہ وغیرہ جو کہ فقہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں اسی لئے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ حکماء کے موافق ہے۔ اور عبادات بدنیہ ان کے نزدیک نجات دلانے والے نہیں ہیں جس طرح کہ حکماء کے نزدیک نجات دلانے والے نہیں ہیں۔ پھر کہا کہ جس شخص کو نبی کی دعوت پہنچی لیکن اس کے نزدیک بعد عہد اور ان کے آیات و معجزات کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے نبی کی نبوت ثابت نہ ہو تو اس کا حکم ان کے نزدیک پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے کا ہے جس کو دعوت نہ پہونچی ہو اور فرق ان دونوں کے درمیان حکم میں ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ حکمت ازلیہ عنایت الٰہیہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقتضی ہے تاکہ نفوس بشریہ کی تکمیل اور قلبی امراض کا علاج کریں اور یہ اس کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا کہ وہ نافرمانوں کے ڈرانے والے اور فرماں برداروں کو خوشخبری سنانے والے ہوں۔ اور اخروی عذاب و ثواب کی خبر دینے والے ہوں اس لئے ہر شخص پر مرغوبات کی طرف شوق کا غلبہ اور تسلط ہوتا ہے، پس وہ معاصی اور رذائل اعمال کی طرف پیشقدمی کرتا ہے اور ان کی تکمیل دارین میں نجات و سعادت کا سبب ہوتی ہے بلکہ نجات آخروی اور سعادت ابدی ہی بعثت سے مطلوب ہے اس لئے کہ دنیا کی پونجی کم ہے لیکن جہاں تک حکماء کا تعلق ہے انھوں نے جب اپنے باطل امور کو رائج کرنا چاہا تو اس کے ساتھ اور چیزوں کی آمیزش کر دی جو کہ انھوں نے انبیاء پر نازل شدہ کتابوں سے اور ان کے اقوال اور ان کے کامل متبعین کے اقوال سے چرائی تھیں یعنی تہذیب الاخلاق کا بیان اور ان اعمال صالحہ کی تحصیل جو کہ باطن سے متعلق ہیں ان لوگوں نے اس کو ایک مستقل علم کی صورت میں مدوّن کیا، جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور امام محقق حجۃ الاسلام نے تو اس کو صرف عبادات کا قسیم بنایا ہے اس لئے کہ فقہاء نے اس کو کتب فقہ میں صرف تبعاً اور ضمنی طور پر بیان کیا ہے اور جیسا کہ بیان کرنا چاہیئے تھا ویسا بیان نہیں کیا اس لئے ان کی اصلی غرض ظاہر اعمال سے متعلق ہے اور یہ لوگ ظاہر پر حکم لگاتے ہیں یہ لوگ قلوب اور باطن کو چیر کر نہیں دیکھتے بلکہ اس کو علمائے طریقت اور سلوک نے بیان کیا ہے۔ اس لئے امام غزالیؒ نے اس شریعت کو جو ظاہر سے متعلق ہے اور طریقت کو جو باطن سے متعلق ہے جمع کر دیا اور اپنی کتاب کو مقصد کے اعتبار سے تقسیم کیا اور اس قسیم کا نام منجی ہی رکھا گو عبادات میں بھی انھوں نے ذکر کیا کہ یہ بھی منجی (نجات دلانے والے) ہیں۔ اس لئے عبادات کی ادائیگی سے نجات کا ہونا فقہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس دوسری قسم کی نجات اس سے معلوم نہیں ہوتی۔ پس غور کرو۔ اور اگر اب بھی تمھیں شک باقی ہے تو ان کے اس کلام میں غور کرو جو میں نے اس رسالہ میں بیان کئے ہیں تاکہ تمھیں اس شبہ سے بالکل نجات مل جائے۔ نیز میں کہتا ہوں کہ تم نے جالینوس اور سیبویہ کو نہیں دیکھا۔ پھر کس طرح تم نے جانا کہ جالینوس طبیب تھا اور سیبویہ نحوی تھا اگر تم یہ جواب دو کہ میں نے علم طب کی حقیقت معلوم کی اور میں نے اس کی کتابوں اور تصانیف کا مطالعہ کیا اور اس کے اقوال سنے تو دیکھا کہ وہ امراض کے علاج اور بیماریوں کے ازالہ کی خبر دیتے ہیں اس سے مجھے اس کی حالت کا علم ضروری حاصل ہوا۔ اسی طرح میں نے نحو کا علم حاصل کیا اور سیبویہ کی کتابیں دیکھیں اس کے اقوال سنے تو اس سے مجھے علم ضروری حاصل ہوا کہ وہ نحوی ہے اسی طرح میں کہوں گا کہ جب تم نے نبوت کے معنی جان لئے تو قرآن اور احادیث میں بہت زیادہ غور کرو اس سے تمھیں اس کا ضروری علم حاصل ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال و اعمال نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز تھے اور زمانے کی دوری اس تصدیق میں مخل نہیں ہے جس طرح سابق تصدیق میں مخل نہیں اس لئے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام اقوال و افعال و اعمال صالحہ و عقائد حقہ کے ذریعہ قوت علمیہ و عملیہ میں نفوس بشریہ کی تکمیل کی خبر دیتے ہیں اور بیماریوں کے علاج اور اس کی تاریکیوں کے ازالہ کی خبر دیتے ہیں اور نبوت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں۔ باقی رہا پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والا جس کو نبی کی دعوت نہ پہونچی ہو اور نہ ان کے اقوال سنے ہو اور نہ ان کے حالات معلوم ہوں تو اس کے لئے ان کی نبوت کی تصدیق ممکن نہیں اور نہ اس کے لئے آسان ہے کہ ان کے بھیجے جانے کا اسے علم ہو گویا نبی اس کے حق میں مبعوث نہیں کئے گئے اس لئے وہ معذور اور ان پر ایمان لانے کا وہ مکلف نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ہم عذاب کرنے والے نہیں یہاں تک کہ ہم رسول نہ بھیجیں۔

جب میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور میرے سینے میں جم گئی کہ میں ان کے لئے ایسی تقریر کروں جو ان کے شکوک دور کر دے اور ان کے لئے ایسی بات لکھوں جو ان کے شبہ کو زائل کر دے۔

جب میں نے دیکھا کہ میری ذات پر ایک حق واجب ہے اور ایک لازمی قرض ہے جو بغیر ادائیگی کے ساقط نہیں ہوتا تو میں نے ایک رسالہ کی تالیف کی اور ایک مقالہ لکھا۔ اصل نبوت کا مطلب ثابت کرنے میں پھر خاتم الرسل (علیہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اکملہا) کے حق میں اس کے ثبوت اور تحقیق کے بیان میں اور منکرین اور اس کی نفی کرنے والوں کے شبہے کے رد میں اور فلسفہ کی خدمت میں اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے اس کے بیان میں ایک مقالہ دلائل و براہین کے ساتھ لکھا جو میں نے قوم کی کتابوں سے اخذ کئے اور اس پر اضافہ اور الحاق کیا جو میرے حافظہ دل پر ظاہر ہوا اللہ ملک جلیل کی مدد سے۔

پس میں کہتا ہوں کہ یہ رسالہ ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر مرتب ہے اور مقدمہ میں دو بحثیں ہیں۔

---

[1] پروفیسر نظامی نے (ص ۲۸۳) بعد (فیضی کے وہ خطوط دیئے ہیں جو اس نے شیخ محدث کو لکھے ہیں۔

[2] ایضاً۔ صفحہ ۲۴۳

[3] زبدۃ المقامات از مولانا ہاشم کشمیؒ، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۲ھ ص ۱۳۲

[1] زبدۃ المقامات از مولانا ہاشم کشمیؒ ص ۱۳۱۔ ۱۳۲

اپنی فاونٹن پن میں ہمیشہ
اسٹار انک استعمال کیجئے
جو کہ اپنے شاندار معیار اور کفایت کی بدولت
بے حد مقبول ہے
اسٹار انک ورکس امیاں بازار، گورکھپور (یوپی)

بقیہ چوہر گ ۔۔۔۔۔۔۔۔

سے ان کے بارے میں سوال کرے جو اب تک کہاں تھے مجھ کو اس کا اندیشہ ہے ۔۔۔ تھا اسی لئے میں برابر اللہ تعالیٰ ہند ۔۔۔ کا ورد جاری رکھتا تھا، اتنا سننے کے بعد فرشتے واپس چلے گئے اور جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ وہ تو ابھی تک تیری محبت میں سرشار ہے۔

ایک شخص نے ان کو خواب دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، فرمایا رحمت و کرم کا، کیونکہ میری زندگی بھر کی تمام عبادتیں کسی کام نہ آئیں، صرف وہ دو رکعتیں سود مند ثابت ہوئیں جنھیں میں نے آخری وقت میں ادا کیا تھا اور جس کے بعد مجھے دوبارہ دربار ایزدی میں سر جھکانے کا موقع نہ مل سکا۔

(تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۰۵، ۲۰۶)

بقیہ، مکتوبات یورپ

قبرص کو دیکھ رہے ہیں جو آجکل ترکی اور یونان یا مسلم اقلیت اور عیسائی اکثریت کی کشمکش اور تصادم کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ بذات خود ایک فکر انگیز بات تھی، یہ ساحل ختم ہونے کے بعد تھوڑی دیر بعد نشرگاہ نے اعلان کیا کہ اب آپ اپنے دائیں ہی جانب ترکی کا جنوب مغربی ساحل دیکھ سکتے ہیں، بیروت سے جنیوا تک جہاز کو تقریباً چار گھنٹے مسلسل پرواز کرنا تھا، اور یہ پورے سفر کا سب سے طویل وقفہ تھا جسکو جہاز والوں نے دوپہر کے کھانے کے پروگرام اور بعض ثقافتی اور قطع وقت کے طریقوں سے پر کرنا چاہا۔ جنیوا پہونچنے سے قبل سوئزرلینڈ کے سحاب آلود اور برف پوش پہاڑ نظر آنے لگے، جن کی چوٹیوں سے خاصا بلند ہو کر جہاز جنیوا کی طرف بڑھتا رہا۔ اس کی عمومی بلندی ۲۵ ہزار فٹ بتائی گئی تھی، جنیوا پہونچنے سے پانچ دس منٹ قبل جنیوا آنے کا اعلان کیا گیا اور جہاز ہوائی اڈے پر اترا، ہم لوگ جہاز سے نکل کر ہوائی اسٹیشن میں داخل ہوئے، ضروری کارروائی چند منٹ میں بسہولت انجام پا گئی۔ اتنی دیر میں مرکز کے لوگ بھی پہونچ گئے، انھوں نے بتایا کہ جہاز وقت سے ذرا پہلے آیا ہے، بہرحال ان کے ہمراہ ہم لوگ مرکز آئے۔ اس دن طلبہ کا جو پروگرام مقرر تھا وہ ملتوی ہو گیا تھا کیونکہ امتحانات ہونے کی وجہ سے عام طور پر طلبہ آنے سے معذور رہے، یہ پروگرام بعد میں کسی دوسری شکل میں رکھا جائے گا۔ اجتماع عام چونکہ تیسرے روز تھا اس لئے ڈیڑھ روز کے لئے فراغت ہی تھی، بقیہ نصف یوم جنیوا شہر کے ایک گوشے کو دیکھنے ہی پر محدود رہا۔ یہ حصہ ملک کی عظیم الشان جھیل بحیرہ لیمان کا کنارہ ہے جس میں قطب مینار سا کی بلندی تک جانے والا ایک فوارہ لگا ہوا ہے جو شہر کے دور دور گوشوں سے نظر آتا ہے۔ یہ فوارہ بجلی کی طاقت سے کام کرتا ہے، جھیل کا کنارہ اسی طرح خوبصورت اور شائستہ ہے جیسے بمبئی میں سمندر کے بعض خوشنما کنارے، اس محدود سیر میں عمارتوں، سڑکوں اور ملک کے باشندوں کو دیکھنا ہوا کوئی ایسی مختلف یا عجیب چیز نظر نہیں آئی کہ جس کی توقع نہ کی جا سکتی ہو، لوگوں کا انداز، لباس، شکل بالکل وہی جو ہمارے ہندوستان کے ان حصوں میں بآسانی ملتی رہتی ہے جہاں یورپ کے باشندے رہتے ہیں، عمارتیں ذرا وضعدار لیکن ویسی ہی جیسی کہ دہلی اور اس جیسے بڑے اور ترقی یافتہ شہروں کے افسروں کے محلوں میں ہوتے ہیں، سبزے اور کیاریوں سے گھری ہوئی، البتہ صفائی اور نظم آبادی کی پوری زندگی میں اچھی طرح داخل اور غالب ہے، فقیر یا کشمکش کہیں اور قطعاً نظر نہیں آتی، اسی طرح کرکٹ کوڑہ یا کسی چیز کا غیر منظم ڈھیر بھی کہیں نہیں ملتا، سڑکیں دھلی ہوئی صاف ان پر سفیدے سے جگہ جگہ نشانات اور اشارے بنے ہوئے اور ان پر چلنے والے ان اشاروں کے پابند، موٹروں کی کثرت لباسوں سے خوش حالی، طور طریق سے تعلیم یافتہ ہونے کا مظاہرہ عام ہے، اسی کے ساتھ ساتھ عورت اور مرد زندگی کے ہر گوشے میں اس طرح شریک کہ جیسے کسی تجارت و کاروبار میں دو پارٹنر و شریک وسہیم ہوں، زندگی کے ہر کام میں دونوں پچاس پچاس فیصدی لئے ہیں۔ عورت و مرد میں قدرت نے جو فطری تفاوت رکھا ہے اس تفاوت کو یورپ اپنی زندگی میں بالکل تسلیم نہیں کرتا، دونوں پر بالکل ایک طرح کے فرائض و ذمہ داریاں عائد کرتا ہے اور دونوں کو ایک ہی شکل کے حقوق و منافع دیتا ہے جس کی وجہ سے عورت اپنی جائز رعایتوں سے محروم اور اپنی آبرو اور احترام کے لحاظ سے خسارے میں مبتلا ہے۔

زندگی بالکل کاروباری اور بھاگ دوڑ کی بنا دی گئی ہے جو جذبات سے خالی اور حسابی ہے، جسکو دیکھئے وہ اپنے مقصد و غرض کی طرف تیز گام ہے، اگر مقصد تفریح ہے تو اس میں بھی تیز قدم اور رواں دواں ہے لیکن تفریحات میں سطحیت اور بچکانا مزاج نمایاں نظر آتا ہے۔ ہم کو تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جو بلند تصور پیدا کرنے والی ہو۔ البتہ یہ محسوس کر کے تعجب و افسوس ہوتا رہا کہ ہمارا مشرق اس یورپ سے بہت زیادہ متاثر و مرعوب ہوا اور وہ بھی غلط شکل میں وہ یورپ کا اس کے تعیش اور اخلاق کی آزادی و بے راہ روی میں تو پورا شاگرد اور مقلد بنا، اور ظاہری طور و طریق کی پوری نقالی کی۔ لیکن جس چیز نے یورپ کو اس وقت دنیا کی قیادت تک پہونچایا اس کی تقلید و استفادے میں بالکل صفر رہا، ترویج علم، زندگی کے وسائل کو قابو میں کرنے پر انتھک محنت، صنعتی و تجارتی میدانوں میں مقابلہ اور دوڑ، اور اس کے ساتھ نظم و ضبط، تنہا یہی وہ باتیں ہیں جنھوں نے مغرب کو طاقت اور غلبہ حاصل کرایا ہے۔ اور افسوس کی بات ہے کہ مشرق آج بھی اپنی پوری نقالیوں کے ساتھ ان بنیادی باتوں میں عاری ہیں۔

ہم کو یہاں کی سڑکوں اور بازاروں میں چلتے ہوئے بعض وقت یہ احساس ہونے لگتا کہ جیسے ہم نئی دہلی کے بعض ترقی یافتہ محلوں یا کناٹ سرکس کی بعض سڑکوں ہی پر چل رہے ہیں، دوکانوں کی سجاوٹ، سڑکوں اور آمد رفت کا نظام، رہائش کا انداز اور لباسوں کی مغربیت، ایک جیسی معلوم ہوتی ہے، اور ان صفات کی نقل اب مشرق میں جگہ جگہ مل جاتی ہے لیکن اصل باتوں کی تقلید وہاں اب تک مفقود ہے۔

جنیوا سے چالیس پچاس میل کے فاصلے پر ملک کا ایک دوسرا بڑا شہر لوزان ہے، کل وہاں بھی جانا ہوا وہاں آج کل نمائش لگی ہوئی ہے۔ اس میں صنعتی ترقیات پیش کی گئی ہیں۔ دو گھنٹے اس نمائش میں بھی گذرے۔ لیکن ایسی نمائش دیکھنے کے لئے کئی روز کا وقت چاہئے۔ اور ایسے شخص کے لئے جو ہر صنعت اور ہر چیز کو غائر نظر سے دیکھنا چاہے خاصی معلوماتی نمائش ہے اس کے بعض حصے ہم لوگوں نے بھی دیکھے۔

سوئزرلینڈ ایک زمانہ میں مسلمانوں زیر اقتدار رہ چکا ہے، اگرچہ اس کے آثار اب نہیں ملتے، لیکن بہرحال یہ ایک تاریخی حقیقت ضرور ہے، جو کسی نہ کسی حد تک مسلمانوں کے مقام کی نشاندہی کرتی ہے، ملک نہایت خوبصورت ہے اور کشمیر نظیر ہے، بلکہ شاید کشمیر سے بڑھا ہوا ہو، کشمیر میں نظم و ضبط و صفائی اور وہاں کے باشندوں میں تعلیم کی عمومیت اور فراخی معاش نہ ہوگی، یہاں یہ چیزیں بھی پائی جاتی ہیں، لوزان کا سفر ریل سے ہوا تھا اس لئے راستہ کے چھوٹے اسٹیشنوں و دیہاتی بستیوں سے گذرنا ہوا، مرتب کھیتیاں، سجی و سجائی بستیاں، معاشی فراخی ہر طرف نظر آئی۔

بقیہ، خطبات نبوی

کبھی کوئی علاج نہیں۔ اعزہ و اقرباء کی تسلیاں صدا بصحرا ثابت ہوتی ہیں۔ تعزیتی الفاظ اپنا اثر چھوڑے بغیر فضا میں پرواز کر جاتے ہیں وہ صرف حضور پاک کے الفاظ ہیں جو ایک مومن کے لئے سارے غموں کا علاج اور اس کے زخموں کے لئے وجہ اندمال ہی نہیں بلکہ قدرت کے اس فیصلہ پر صبر و ضبط کے ساتھ راضی ہو جانے پر اس کے نزدیک بہتر انجام کی توقع بھی دلاتے ہیں۔ ظاہر ہے ایک مسلمان کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے اور اس کی متاع زندگی کی سب سے قیمتی تمنا بھی، کیسے بیش قیمت ہیں دعا کے یہ الفاظ:

اللھم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا اجرا و ذخرا واجعلہ لنا شافعا ومشفعا۔

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء سے شائع کیا۔

چو مرگ آید تبسم برلب اوست

تسنیم الحسن صدیقی ندوی

اے دونوں جہاں کے پالنے والے، اے احکم الحاکمین، جس دن یہ عالم فنا ہو جائے گا، ہر ذی روح موت کے آغوش میں چلا جائے گا، اور پھر انھیں حیات ثانی ملے گی، مردے قبروں سے باہر نکل آئیں گے، نفسی نفسی کی صدائیں بلند ہو رہی ہونگی ہر شخص افتاں و خیزاں چلا جا رہا ہوگا۔ لوگ ایک میدان میں جمع ہو رہے ہوں گے، اچانک لمن الملک الیوم (آج کس کی حکومت ہے) کی صدا بلند ہوگی، پھر خود ہی سائل جواب دے گا "للہ الواحد القہار" (غالب و اکیلے خدا کی)

اس دن تو مجھے اس حال میں اٹھا کہ میں لبصارت سے محروم ہوں، کیونکہ معاصی کی کثرت، غلطیوں کی زیادتی عبادات و طاعت میں کوتاہی کی وجہ سے میں اتنی قوت نہیں پاتا ہوں کہ تجھ سے آنکھیں ملا سکوں۔

ان الفاظ کے ساتھ حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنی دعا ختم کی، اور نگاہیں نیچی کئے ہوئے گھر واپس تشریف لائے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی جس پر لوگوں کو تعجب ہوتا، بلکہ ان کے کان ان الفاظ کے سننے کے عادی ہو چکے تھے زمانہ کی گردشیں یوں ہی جاری رہیں، لیل و نہار کا چکر چلتا رہا، آفتاب اپنی ضیا باری کے بعد روز غروب ہوتا رہا۔ یہانتک کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس فرستادۂ اجل آپہنچا، ان کی دعا کے کلمات ایک مرتبہ اور فضا میں گونجنے لگے اور

خدام پریشان ہو گئے، نوجوان اطباء کی طرف دوڑے، بزرگ دعا میں مشغول ہو گئے، عورتوں کی سسکیاں بلند ہونے لگیں، بچے ہر ایک طرف حیرت و استعجاب بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے لیکن جب کچھ سمجھ میں نہ آتا تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے۔

اسی اثناء میں جنید بغدادیؒ نے حکم دیا کہ دسترخوان بچھاؤ، اور کہو کہ لوگ کھانا کھائیں، اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا انتقال اس حالت میں ہو لوگ کھانا کھا رہے ہوں، اس کے بعد فرمایا کہ مجھے وضو کراؤ، ایک خادم نے اس فرض کو انجام دیا لیکن انگلیوں میں خلال کرانا بھول گیا، فرمایا بھئی انگلیوں میں خلال کر دو اسے کیوں فراموش کر دیا، خادم یہ حکم بھی بجا لایا۔

وضو کرنے کے بعد سجدہ میں گر گئے اور آہ و بکا، گریہ وزاری شروع کر دی۔ مریدین نے عرض کیا "اس قدر عبادات و کار خیر و نیکیاں آپ پہلے ہی بھیج چکے ہیں، اس لئے اب اس کی کیا ضرورت ہے، فرمایا، جنید آج جس قدر عبادت و طاعت کا محتاج ہے اتنا کبھی نہیں تھا، اسی حالت میں قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی، آپ قرآن پڑھ رہے ہیں، ایک مرید نے تعجب سے پوچھا، مجھ سے زیادہ قرآن پڑھنے کا کون مستحق ہوگا، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میری تمام عبادات ایک باریک دھاگہ کی طرح ہوا میں معلق ہیں اور اس کو تند و تیز ہوائیں ہلا رہی ہیں، مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ ہوا اس دھاگہ کو توڑ دے گی یا اسے باقی رکھے گی، اس وقت میں ایسے دوراہے پر کھڑا ہوں جس کے ایک سمت ملک الموت کھڑا ہے اور دوسری طرف پل صراط ہے سامنے منصف و عادل حاکم جلوہ افروز ہے جو میری طرف توجہ نہیں کر رہا ہے میں حیران و پریشان اس دوراہے پر کھڑا ہوں مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان راہوں میں کس راہ پر مجھے جانا ہوگا، جنیدؒ نے نحیف آواز میں جواب دیا۔

اس گفتگو کے بعد دوبارہ پھر قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی اور تقریباً ۷۰ آیتیں تلاوت کیں، اس کے بعد قرآن شریف کو بند کر کے رکھ دیا۔ کیونکہ تکلیف کی شدت اب مزید پڑھنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔

اب وفات کا وقت بالکل قریب آچکا تھا خادم نے عرض کیا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیجئے، "میں نے اللہ کو کبھی فراموش کیا ہی نہیں کہ اسے اس وقت یاد رکھنے کی حاجت ہو" حضرت جنید بغدادیؒ نے بہت ہی نحیف آواز سے جواب دیا۔ اس کے بعد وہ تسبیح پڑھنے لگے اور اس کے ساتھ ساتھ انگلیوں سے اسے شمار بھی کرنے لگے۔ ہاتھ کی چار انگلیوں سے تو وہ تسبیح شمار کر رہے تھے اور شہادت کی انگلی کو الگ کئے ہوئے تھے اسی حالت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا اور ایک مرتبہ آنکھوں سے اوپر کی طرف دیکھا اس کے بعد بند کر لیا، اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ شمع کی لو بھڑکی اور بجھ گئی

وفات کے بعد غسال نے غسل دیتے وقت آنکھوں میں پانی پہچانے کی بہت جد و جہد کی لیکن آنکھیں نہ کھل سکیں، وہ اپنی اس جد و جہد میں مشغول تھا کہ اچانک ایک آواز نے لوگوں کو چونکا دیا "جو آنکھ میری یاد اور میرے ذکر پر بند ہوئی ہے وہ اب بغیر مجھ سے ملے ہوئے نہ کھلے گی" اس آواز کو سنتے ہی غسال نے اپنی جد و جہد ترک کر دی۔

چونکہ انتقال تسبیح پڑھنے کی حالت میں ہوا تھا اس لئے ہاتھ کی بعض انگلیاں ہتھیلی سے ملی ہوئی تھیں، جسے غسال نے اس جگہ سے الگ کرنا چاہا لیکن پھر ایک آواز نے اسے گھبرا دیا اور وہ انگلیوں کی طرف سے بے فکر ہو کر غسل کے فرائض انجام دینے لگا، وہ آواز کہہ رہی تھی جو انگلیاں میرے ذکر پر بند ہوئی ہیں وہ بجز میرے حکم کے نہ کھلیں گی،

اسی طرح جب ان کا جنازہ لیکر لوگ روانہ ہوئے تو چارپائی کے ایک پائے پر سر کے قریب ایک سفید کبوتر آکر بیٹھ گیا، اس کو اس جگہ سے اڑانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن وہ وہاں سے نہ اڑا، لوگ جب عاجز و پریشان ہو گئے تو ایک آواز فضا میں گونجی "تم لوگ مجھے پریشان نہ کرو اور خود بھی حیران نہ ہو، کیونکہ تمہاری یہ کوششیں عبث و بیکار ہیں، اس لئے کہ میرے دونوں پنجے عشق کے دھاگہ سے سی دئے گئے ہیں اب میں باوجود کوشش کے یہاں سے اڑ نہیں سکتا، تم لوگ اس وقت اس قدر رنجیدہ کیوں ہو، اتنا زیادہ غموں میں کیوں ڈوبے ہوئے ہو، آج تو تمھیں خوشی منانی چاہیئے اس لئے جنیدؒ کا قالب آج کروبیان کے نصیب میں ہے، وہ ہر چہار طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں"

انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا، اور ان سے سوال کیا کہ آپ نے منکر نکیر کو جواب کس طرح دیا فرمایا کہ جب یہ دونوں بارعب فرشتے میرے پاس آئے اور آتے ہی سوال کیا "من ربک" تو میں اس وقت بالکل نہ گھبرایا بلکہ مسکرانے لگا۔ اور میں نے کہا کہ اس کا جواب تو میں اسی وقت دے چکا ہوں جب "الست بربکم" کی صدا بلند ہوئی تھی، اور میں نے بلی کہا تھا۔ آج تم مجھ

طلبہ کا صفحہ

امیر المومنین

جنت الفردوس میں

(۲)

عبدالعلیم بستوی متعلم دارالعلوم

(۳)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لیجاتے ہیں۔ ایک نہایت ہی تنگ وتاریک کمرہ ہے۔ مٹی کی نیچی دیوار پر کھجور کے پتوں کی چھت پڑی ہوئی ہے۔ ایک کنارے ایک ٹاٹ بچھا ہے۔ لیکن عبداللہ ابن عمرؓ اندر قدم رکھتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ کیوں نہ ہو یہی تو ام المومنین کا حجرۂ مبارک تھا یہی تو کلام الٰہی کے تجلیات کے مرکز تھا۔ یہیں سے نور اسلام کی کرنیں سارے عالم انسانی پر ضوفشانی کرتی تھیں یہیں سے تو نور ہدایت کی شمعیں روشن ہوا کرتی تھیں۔ اور یہی وہ حجرۂ مقدس تھا جہاں سے اسلام کی ضیاء باریوں کے مرکز حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم امت مسلمہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دیکر رفیق اعلیٰ سے جاملے تھے۔ عبداللہ ابن عمرؓ تھوڑی دیر کے لئے مبہوت ہوگئے تھے۔ ان کی نگاہوں میں ماضی کے نقشے پھر گئے۔ انھیں حضور کا زمانہ یاد آرہا تھا۔ طبیعت چاہتی تھی کہ واپس چلے جائیں۔ لیکن نہیں، امیر المومنین کا حکم تھا بھلا کس کی مجال کہاں ؟

"اسلام علیکم یا ام المومنین" طبیعت پر قابو پاتے ہوتے حضرت ابن عمرؓ نے کہا اور اندر داخل ہوگئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال ہو رہی تھیں۔ رنج والم سے بے قابو ہوکر اشکوں کے ہار پرو رہی تھیں۔

"عمر ابن الخطابؓ سلام کہہ رہے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں کہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کئے جائیں" حضرت ابن عمرؓ نے ادب سے کہا۔

"علیہ وعلیک السلام" — ام المومنینؓ نے جواب دیا میں نے تو اسے اپنے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ لیکن آج بہرحال امیر المومنین کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی"۔

(۴)

یہ جواب سن کر ابن عمرؓ بہت خوش ہوتے ہیں۔ وہ شاداں وفرحاں امیر المومنین کی طرف جاتے ہیں۔ ابھی کچھ فاصلے ہی پر تھے کہ مجمع سے جواب کا منتظر تھا۔ بہت سی ملی جلی آوازیں آئیں۔

"عبداللہ ابن عمرؓ آگئے"

"مجھے بٹھا دو" امیر المومنینؓ نے فرمایا۔

"کیا ہوا ؟" امیر المومنین نے عبداللہ بن عمرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے امید وبیم کے عالم میں سوال کیا۔

"آپ کی تمنا پوری ہوگئی۔ ام المومنین نے اجازت دے دی" عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا۔

"الحمد للہ" فرط مسرت سے حمد خداوندی کے الفاظ منہ سے نکلنے لگے۔

"میری آخری تمنا یہی تھی۔ میرے نزدیک اس سے اہم کوئی بات نہیں تھی"

"اچھا جب میری روح اس قفس عنصری سے پرواز کرکے منزل مقصود پر پہونچ جائے تو مجھے اٹھا کے لے جانا۔ سلام کرنا اور کہنا کہ عمر ابن الخطاب اجازت چاہتے ہیں۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں سپرد خاک کر دینا" امیر المومنین نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"امیر المومنین وصیت کر دیجئے" چند آوازیں آئیں۔

"کسی کو خلیفہ بنا دیجئے" ایک اور آواز آئی۔

"میرے نزدیک اس اہم فریضے کے سب سے زیادہ مستحق وہی لوگ ہیں جن سے خوش ہوکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے جاملے اور وہ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰن ابن عوفؓ ہیں۔ ہاں! مشاورت میں عبداللہ ابن عمرؓ بھی شریک ہوں گے لیکن خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا اگر سعد کو خلافت مل جائے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ جو بھی خلیفہ ہو وہ ان سے ضرور اعانت حاصل کرے" امیر المومنین نے ایک طویل گفتگو کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

اس کے بعد امیر المومنین نے آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

(۱) "میں آنے والے خلیفہ کو مہاجرین اولین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حق وحرمت کی حفاظت کرے"

(۲) "میں اسے انصار کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جنھوں نے مہاجرین کو ٹھکانا دیا۔ اور اس سے پہلے ہی اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے کہ وہ ان کے محاسن کو قبول کرے اور معائب کو درگذر کرے۔"

(۳) "میں اس کو شہریوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں جو اسلام کے پشت پناہ اور خراج کے وصول کرنے والے ہیں اور دشمن کے لئے مجسم غیظ وغضب ہیں کہ وہ ان کا بچا ہوا مال ان کی خوشی سے لے"

(۴) "میں اس کو اعراب کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، وہی اصل عرب اور اسلام کے مددگار ہیں کہ ان کے بچے ہوئے مال کو ان کے امراء سے لیکر ان کے غرباء میں تقسیم کر دے۔"

(۵) اور سب سے آخر میں اسے اللہ اور اس کے رسول کا عہد یاد دلاتا ہوں، کہ وہ ان کے وعدے کو پورا کرے اور ان کے نافرمانوں سے جنگ کرے۔

ان دردناک الفاظ کے ساتھ اسلام کے اس مایہ ناز فرزند کی روح عالم جاودانی کو پرواز کر گئی۔ وہ خدا کا محبوب بندہ اپنے خدا سے جاملا۔ اس دنیائے فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔ خلافت اسلامیہ کا بڑھتا ہوا عروج یک لخت رک گیا اور کہنے والوں نے کہا۔

"جب سے عمر اسلام لائے اسلام کا
ستارہ بلند ہوتا رہا اور جب سے
شہید کئے گئے وہ ستارہ ہی ڈھلتا
رہا۔"

— اور آج تک ڈھلتا ہی جا رہا ہے۔ کاش اس امت میں کوئی عمر جیسا پھر پیدا ہوتا۔

آہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی

شام کے مشہور عالم اور عالم اسلام کی معروف شخصیت ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے انتقال کی خبر بذریعہ ڈاک موصول ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم عالم عربی کے صف اول کے مفکرین علماء اور اخوان المسلمین کے لیڈروں میں تھے، شام میں اخوان کے مراقب عام اور صدر تھے، دمشق یونیورسٹی کے لا کالج میں وہ پرنسپل لا کے استاذ اور شریعت کالج کے پرنسپل تھے، اور یونیورسٹی میں شعبۂ قانون اسلامی کے صدر اور نگراں تھے۔

دمشق سے انھوں نے چار سال قبل ایک عربی ماہنامہ "حضارۃ الاسلام" کے نام سے جاری کیا جو عالم عربی کے اسلامی ماہناموں میں ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔

موصوف نے فلسطین کی جنگ میں بھی شرکت کی اور مخلص مسلم سپاہی کا رول ادا کیا جو انکی ذات کا ایک جزو اور قابل فخر کارنامہ ہے اس کے علاوہ انھوں نے پوری زندگی دین کی خدمت میں گذاری۔

ڈاکٹر مرحوم کے متعلق مفصل مضمون آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ندوۃ العلماء — ذرائع تعاون — لکھنؤ

● سب سے بڑا تعاون مجلس کی مطبوعات لٹریچر کو صحیح جگہوں پر پہنچانا اور انکی اشاعت —

● مجلس کے کاموں کیلئے مستقل عطیے، مثلاً :

(الف) رکنیت دوامی (لائف ممبری) جو صاحب پانچسو روپئے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے لائف ممبر شمار ہونگے، لائف ممبر کو مجلس کی مطبوعات ہمیشہ بلاقیمت فراہم کی جائیں گی۔

(ب) ہمدرد، جو حضرات دو سو روپئے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے ہمدرد شمار ہونگے، مجلس ہمدرد کو پانچسال تک اپنی مطبوعات بلاقیمت پیش کرے گی۔

(ج) معاون، جو حضرات پچیس روپئے عنایت فرمائینگے وہ مجلس کے معاون شمار ہونگے مجلس انھیں اپنی اولین کتاب "مقالات سیرت" بلاقیمت اور بقیہ تمام مطبوعات رعایتی قیمت سے فراہم کرے گی۔

اس کے علاوہ غیر مستقل عطیے اور مفید مشورے اس اہم کام کی ترقی وتقویت اور کارکنان مجلس کی ہمت افزائی کا باعث ہوں گے۔

• آج ہی رکنیت کا فارم پر کرکے اپنی علم دوستی
• اور اسلام نوازی کا ثبوت دیجئے •

Regd. No. L 7051 Phone No. 22949

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بھی ہے۔ دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۵۰/۔ ، حصہ دوم ۷۵/۔ حصہ سوم ۱/۲۵

القراءۃ الراشدۃ ۳ حصے

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اس کی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں۔ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو۔ مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۲/۔ حصہ دوم ۱۲/۔ حصہ سوم ۱۲/۔

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں۔ نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے۔ مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت ۔/۳

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کئے جانے کے لائق ہے۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے۔ مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے۔ شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۔/۲ حصہ دوم ۔/۲